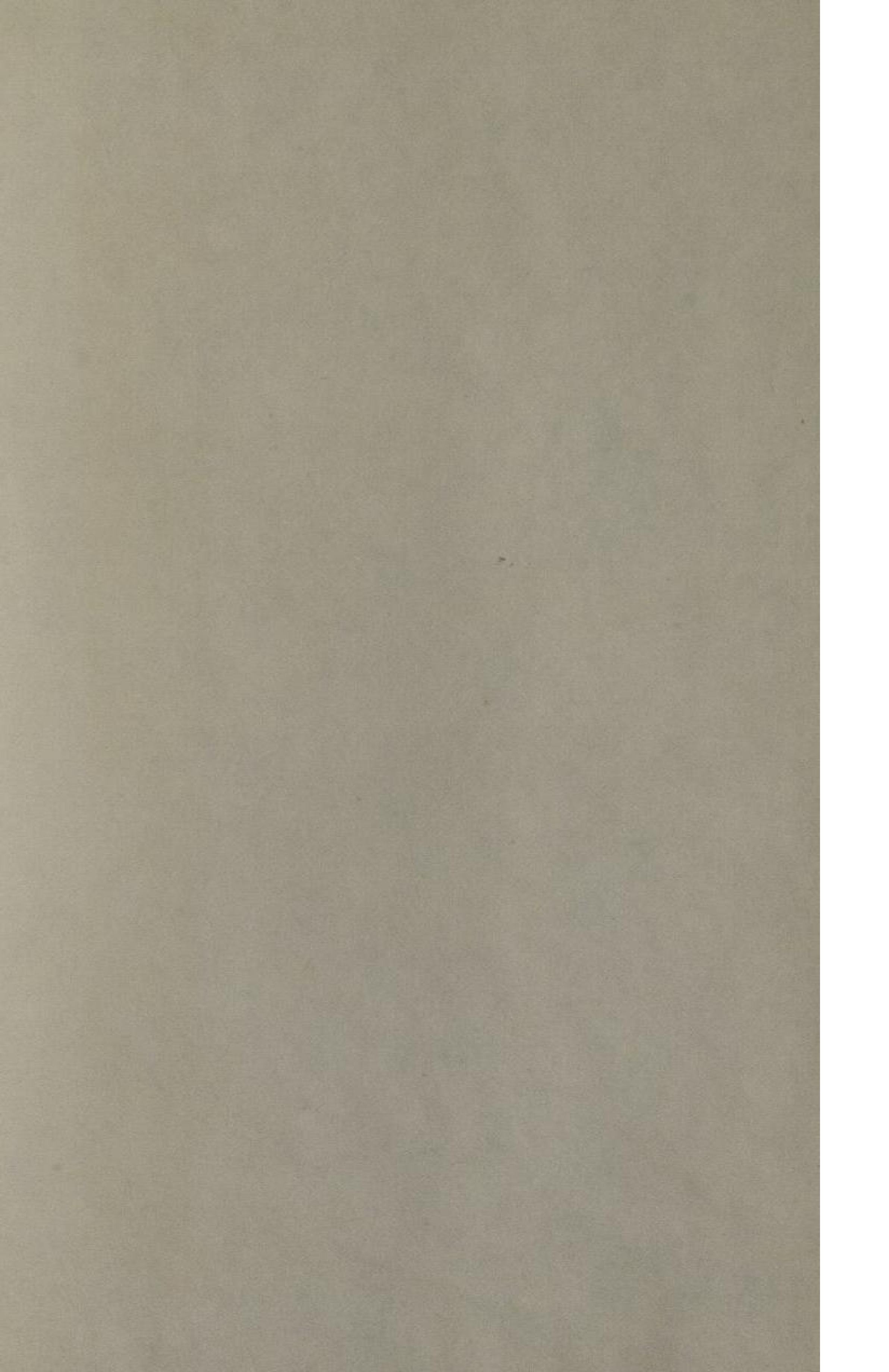


حرفِ محرمات



ڈاکٹر غلام جیلانی برقی



عرفت محرمات

(احمدیت پہ ایک نظر)

ڈاکٹر غلام جیلانی برقی

ایم۔ اے، پی ایچ ڈی

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

حقوق بحق پبلشر محفوظ



باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
غلام علی پبلشرز، ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

قیمت : ۱/-

TECHNICAL SUPPORT BY



CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

مقام اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

انتساب

آن احمدی بھائیوں کے نام

جنہیں

حق و صداقت سے محبت ہے

اور جو

تلاش حقیقت کے لیے بے تاب ہیں

(برق)

پہلے

مذہب کے نام پر نہیں لیا جاتا

بیوقوف

جو شہادت سے قلمبند

میں آ

مذہب کے لیے کی تحقیق

رقم

فہرست مضامین

نمبر صفحہ

عنوان

۹

حرفِ اول

پہلا باب

۱۶

مسئلہ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں

۲۶

خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں

۳۳

نقطہ خاتمہ کا استعمال جناب مرزا صاحب کے ہاں

۳۹

خاتم النبیین کی تفسیر جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں

۴۱

ختم نبوت کی نئی تشریح

دوسرا باب

۴۲

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

تیسرا باب

۷۶

مسیح و عیسیٰ مسیح

چوتھا باب

۸۵

تاریخ بعثت

پانچواں باب

دلائل بر نبوت

۹۲

اولئک مع الذین

۹۵

دلیل افترا

۱۰۵

دلیل مماثلت

چھٹا باب

مسیح و دجال

۱۲۲

ساتواں باب

مسئلہ جہاد

۱۴۴

آٹھواں باب

صداقت کے چار معیار

۱۸۵

قبولیت و دعاء

۱۸۶

فہم قرآن

۲۰۱

نشانات

۲۱۶

محمدی بیگم

۲۲۲

دُپٹی آتھم

۲۲۳

پسر موعود

۲۴۵

طاعون و قادیان

۲۵۳

۱-

۲-

۳-

۴-

۲۶۱

احمدیوں کی تعداد

۲۶۴

الہام عمر

۲۶۶

امراضِ خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ

۲۷۱

الہام شلیج

۲۷۰

میاں منظور محمد کے گھر لڑکا

۲۷۲

کنواری اور بیوہ

۲۷۳

بعض بابرکت عورتیں

نواں باب

۲۷۵

الہامات

۲۸۳

الہامات غلط زبان میں

۲۸۵

عجیب الہامات

۲۸۷

مہمل الہامات

دسواں باب

۲۸۹

وسعت علم

گیارہواں باب

۲۹۱

نبی فصیح البیان ہوتا ہے

۲۰۳

محلّ الفاظ

۲۰۷

ثقیل الفاظ

۳۰۹ ۳- تکرار الفاظ

۳۱۲ ۴- توالی اضافت و توصیف

۳۱۳ ۵- حشو و زوائد

۳۱۶ ۶- محاورہ

۳۲۰ ۷- فارسی توصیف و اضافت و حروف فارسی

۳۲۳ ۸- تذکیر و تانیث

۳۲۶ ۹- جمع و مفرد

۳۲۷ ۱۰- الفاظ کا غلط استعمال

۳۳۱ ۱۱- مہمل

۳۳۳ عربی اغلاط

۳۳۴ الہامات

۳۳۵ تاریخ رسالت میں پہلی مرتبہ

۳۳۸ خطبہ الہامیہ

۳۵۳ قصیدہ اعجازیہ

۳۵۴ الہامی تفسیر فاتحہ

بارہواں باب

۳۵۷ حق افین نبوت سے سلوک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ اوّل

میرے احباب میں ایک خاصی تعداد احمدی حضرات کے ہے جن سے میرے مراسم ہمیشہ برادرانہ رہے اور میں نے کبھی محسوس نہ کیا کہ ہم میں کوئی ذہنی اختلاف موجود ہے۔ جب گزشتہ مارچ ۱۹۵۲ء میں احمدی حضرات کے خلاف ملک میں ایک طوفان اٹھا تو میری توجہ اس طرف منعطف ہوئی اور میں نے جناب مرزا غلام احمد صاحب کی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہ تحریر میرے تاثرات مطالعہ کی آئینہ دار ہے۔

میں اسلام کی بین الاقوامیت اور نسلِ آدم کی جمعیت کا مبلغ ہوں اور ہر قسم کی تفریق کا خواہ وہ قومی ہو یا ملی۔ مخالف ہوں اور اسلامی فرقہ بندی پہ کچھ لکھنا تفسیرِ اوقات سمجھتا ہوں۔ لیکن جو سوال اس تحریر کا محرک بنا۔ وہ یہ تھا کہ احمدی بھائیوں اور دیگر مسلمانوں میں مجھے بظاہر کوئی اختلاف نظر نہیں آتا تھا۔ ان کا قبلہ ایک طریقِ عبادت ایک تمدن

ایک معاشرت ایک قانون ایک فقہ ایک تو نہ پر یہ تصادم کیوں ہو! کیوں ایک دوسرے سے الجھ کر دنیا کو تماشہ دکھائیں اور پاکستان میں انتشار کی آگ بھڑکائیں۔ اس سلسلے میں میں نے علمبرداران تحریک کے ہر بیان، ہر تحریر اور دیگر لٹریچر کا غور سے مطالعہ کیا اور دوسری طرف جناب مرزا صاحب، جناب میاں بشیر الدین صاحب محمود نیران کے جریدہ موقرہ الفضل کی تحریرات و مقالات کو پڑھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ احمدی حضرات اور دیگر مسلمان ایک دوسرے سے دُور جا رہے ہیں ان کے درمیان ذہنی دیواریں حائل ہو چکی ہیں اور اس لیے ہر خیر خواہ ملک و ملت کا فرضِ اولین ہے کہ وہ بھائی کو بھائی سے ملائے اور ان اخلاقی خلیجوں کو پاٹ دے جو انہیں جدا کر رہی ہیں۔

طرفین میں مابہ النزاع ختم نبوت کا مسئلہ ہے۔ علمائے اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام پہ نبوت ختم ہو چکی ہے اور علمائے قادیان اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ اس مسئلے کا فیصلہ صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اگر علمائے احمدیت کی ملے صحیح ہو تو ہمیں سپر ڈال دینا چاہیے اور اگر غلط ہو تو وہ دیگر مسلمانوں کے ہم آہنگ ہو جائیں۔

مذہب ایک عمیق ترین تعصب اور محبوب ترین تعلق کا نام ہے اس کی بنیاد ماں کی آغوش میں ڈالی جاتی ہے اور گھر کے عزیز ترین ماحول میں یہ پروان چڑھتا ہے گوشت سے ناخن کو جدا کرنا سہل ہے لیکن مذہبی تصورات سے جدا ہونا مشکل۔ دنیا کی کوئی منطق اور جہان علم و حکمت کا کوئی فلسفہ ہمارے مذہبی عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ مجھے ان مشکلات کا پوری طرح احساس ہے لیکن جب میں دیکھتا ہوں

کہ سعد بن ابی وقاصؓ کے حملے کے اقل قلیل مدت میں سارا ایران حلقہ بگوش اسلام بن گیا تھا۔ زرتشتیوں نے اپنے ہاتھ سے اپنے آتش کدوں کی بنیادیں کھود ڈالی تھیں اور نصار نے شام نے بلا اکراہ اپنے کلیساؤں کو مسجدوں میں بدل دیا تھا۔ تو میری ڈھارس بندھ جاتی ہے ایران و شام میں عقائد کی مکمل تعمیر کو ڈھانا تھا اور یہاں صرف ایک تصور کو جھٹکانا ہے اس لیے میرا کام نسبتاً سہل ہے۔

دنیا میں کوئی شخص گمراہی کو پسند نہیں کرتا ہم صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ قرآن و صاحب قرآن کو وسیلہ نجات سمجھتے ہیں اسی طرح احمدی بھائی بھی نجات و سعادت ہی کی خاطر جناب مرزا صاحب کے دامن سے وابستہ ہیں اگر آج ہمیں یقین دلایا جائے کہ حضور علیہ السلام (خاکم بدین) دعوت نبوت میں صادق نہیں تھے تو ہم سب لازماً کوئی اور ذریعہ نجات تلاش کریں گے اسی طرح اگر احمدی بھائیوں کو بھی پورا یقین ہو جائے کہ جناب مرزا صاحب کا دعویٰ درست نہیں تھا تو وہ یقیناً اس راہ کو چھوڑ جائیں گے آخر گمراہ ہونا کوئی خوبی نہیں اس سے نہ دنیا سنورتی ہے اور نہ آخرت۔ کون چاہتا ہے کہ گمراہ رہ کر یہاں کرفڑوں بھائیوں کے عتاب کا شکار بنے اور وہاں خدائی عذاب کا۔ میرا اپنا وتیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جہاں کوئی معقول بات سنی فوراً قبول کر لی ایک زمانہ تھا کہ میں ہر جدید تصور کا دشمن اور ہر دقیا نوسی رسم و عقیدہ کا پرستار تھا۔ قبروں پہ ماتھے رگڑتا تھا۔ رہبانیت کا قائل تھا۔ حرز و افسوں پہ گزارہ تھا۔ انبیاء کو عالم الغیب۔ مردوں کو سمیع و بصیر اور اجبار و رہبان کو اپنا رب سمجھتا تھا بعد میں جب مفکرین اسلام کے فلسفیانہ دلائل کا مطالعہ کیا تو میرے عقائد کی مضبوط چٹانیں پاش پاش ہوتی گئیں یہاں تک کہ آج میرے دل کی دنیا میں تباہ شدہ عقائد کے کھنڈرات دور افق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ احمدی حضرات بات نہیں سنتے مجھے اس رویے سے شدید اختلاف

ہے آخر اس جماعت میں بڑے بڑے دکلاء، پروفیسرز اور دیگر معقول لوگ موجود ہیں ایک معقول انسان سے اس غیر معقولیت کی امید ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ دوسرے کی بات نہ سنے بشرطیکہ بات میں کوئی معقولیت ہو آج تک احمدیت پر جس قدر لٹریچر علمائے اسلام نے پیش کیا ہے اس میں دلائل کم تھے اور گالیاں زیادہ، ایسے دشنام آلود لٹریچر کو کون پڑھے اور مغلطات کو تھمنے بیٹھے انداز اور بے دردانہ رنگ میں کہی ہوئی بات پر ہر شخص غور کرتا ہے لیکن گالیاں کوئی نہیں سنتا۔ مسئلہ ختم نبوت پر میں نے جناب مرزا صاحب کی تقریباً چالیس ضخیم تصانیف پڑھیں ساتھ ہی ان کے صاحبزادے کی تحریرات کو دیکھا اجڑے نبوت پر جس قدر دلائل ان کتابوں میں موجود تھیں ان کو قرآن و عقل کی میزان میں تولاد اور بالآخر ان نتائج پر پہنچا جو صفحات آئندہ میں درج ہیں۔ یہاں یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ اس کتاب کے تمام حوالوں میں انتہائی دیانت سے کام لیا گیا ہے اقتباسات کو نہ تو مسخ کیا گیا ہے اور نہ قطع و برید سے حسب منشا بنایا گیا ہے بلکہ ہر حوالے میں صاحب کتاب کی منشاء کو مد نظر رکھا گیا ہے یہ اس لیے تاکہ مسئلہ کے تمام پہلو ہو ہو سامنے آجائیں اور احمدی و غیر احمدی حضرات کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ اس کتاب میں دلائل کی بنیاد صرف دو چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

اول: قرآن حمید پر کہ اسے احمدی و غیر احمدی سب تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔
دوم: جناب مرزا صاحب کی تحریرات پر کہ وہ احمدی بھائیوں کے ہاں واجب الایمان ہیں احادیث من حیث المجموع نہ میرے ہاں سند ہیں نہ احمدی حضرات کے ہاں جناب مرزا صاحب صرف ایسی احادیث کو قابل اعتنا سمجھتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہوں اور جن کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہو اور یہی مسلک میرا ہے۔ میرے ہاں کوئی حدیث قرآن پر حکم نہیں بن سکتی۔ البتہ تفسیر کر سکتی ہے اور یہ تفسیر بعض مسائل کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے

حدیث میں یا تو حضور علیہ السلام کے اقوال ہیں اور یا صحابہ کرام کے قرآن حکیم ان حضرات پر انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لیے وہ آیات کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے تھے ان لوگوں نے جو کچھ کسی آیت کے متعلق حضور سے سنا، یا خود سمجھا پیش کر دیا۔ امام بخاری (وفات ۲۵۶ھ) کے علم میں صرف تفسیری احادیث کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی۔ ہمارے مفسرین نے گزشتہ تیرہ سو برس میں ہزار ہا تفاسیر لکھیں جن کی بنیاد ان احادیث پر رکھی۔ میں نے بھی اس کتاب میں چند احادیث سے تفسیر کا کام لیا ہے (سند کا نہیں صرف تفسیر کا) تاکہ قارئین کرام فیصلہ کر سکیں کہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام نے کسی خاص آیت کا مطلب کیا سمجھا تھا۔

جماعت احمدیہ کے موجودہ امام جناب میاں محمود احمد صاحب غیر معمولی فہم و فراست اور علم و تدبیر کے مالک ہیں۔ نزاکت و قوت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے ایک ہفتہ پہلے ۹۵۳ھ کے آخر میں، آپ نے ایک طویل بیان اخبارات کے حوالے کیا جس میں اعلان فرمایا:

اول کہ ہم مسلمان ہیں دیگر مسلمانوں سے ہمارا کوئی اختلاف نہیں
ہمارا رسول ایک، کتاب ایک، قبلہ ایک، تمدن ایک، روایات
ایک اور سب کچھ ایک:

یہ ایک نہایت مبارک اقدام ہے اللہ کرے کہ احمدی و غیر احمدی کے مصنوعی اختلافات ختم ہو جائیں اور ہم سب مل کر پاکستان کے استحکام اور قرآنی اقدار کے احیاء کے لیے کام کریں۔

گزشتہ ستر برس میں احمدی کو غیر احمدی سے جدا کرنے کے لیے کئی ہزار صفحات سپرد قلم ہوئے اور انہیں ملانے کے لیے شاید ایک لفظ بھی کسی زبان سے نہ نکلا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جنازے اور نمازیں ایک دوسرے سے الگ ہو گئیں رشتے کٹ گئے

اور کفر و اسلام کے پہاڑ درمیان میں حائل ہو گئے۔

جناب مرزا میاں محمود احمد صاحب کا یہ بیان اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ مصالحت کی طرف یہ پہلا جرات مندانہ قدم ہے جس میں اس سلسلے میں امام جماعت سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ اپنی جماعت کو یہ بھی ہدایت کریں کہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ ان کی مساجد میں نماز پڑھیں ان کے جنازوں میں شامل ہوں۔ اسلامی تقریبات مل کر ادا کریں اور کفر و اسلام کے مصنوعی و غیر فطری تصورات کو جھٹک دیں۔

والسلام

برق - کیمیلپور

۶ جولائی ۱۹۵۳ء

بسم الله

روزنامه ایران

در روزهای اخیر که در این شهر میگذشت
بسیار اتفاقات مهمی روی داده است که
باید در این روزنامه ثبت شود تا مردم
مطلع شوند از آنچه در این شهر میگذرد
و در این روزنامه سعی شده است که
تمام اخبار و رویدادها را به صورت
کامل و دقیق درج شود تا مردم
مطلع شوند از آنچه در این شهر میگذرد
و در این روزنامه سعی شده است که
تمام اخبار و رویدادها را به صورت
کامل و دقیق درج شود تا مردم
مطلع شوند از آنچه در این شهر میگذرد

در این روزنامه سعی شده است که

تمام اخبار و رویدادها را به صورت

کامل و دقیق درج شود تا مردم

مطلع شوند از آنچه در این شهر میگذرد

و در این روزنامه سعی شده است که

تمام اخبار و رویدادها را به صورت

پہلا باب

مسئلہ ختم نبوت قرآن کی روشنی میں

قبل اس کے کہ ہم آیہ خاتم النبیین پر بحث کریں یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آیا تھا بلکہ تمام انبیاء ایک ہی پیغام کو مختلف زمانوں اور زمانوں میں دہراتے رہے اس موضوع پر مفصل بحث نو میری کتاب ”ایک اسلام“ میں ملے گی یہاں مختصر آنا بتانا کافی ہو گا کہ حقیقت برزہ مانے میں ایک رہی ہے دو اور دو ہر دور میں چار تھے۔ لوہا ہمیشہ پانی سے بھاری رہا اور پانی سدا دھلان کی طرف بہتا رہا اگر مذہب بھی کسی سچائی کا نام ہے تو اسے لازماً برزہ مانے میں ایک ہونا چاہیے ایک خدا کا پیغام ایک نسل انسانی کی طرف اس کی ایک فطرت کی اصلاح کے لیے ایک ہی ہو سکتا تھا دس یا بیس نہیں ہو سکتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن میں فرمایا :

إِنَّا هَذَا الْفِي الصَّحُفِ الْأُولَىٰ ط

(یہ قرآن پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے)

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ -

(ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں جو تم سے پہلے انبیاء

کو دیا گیا تھا۔)

”لِلرُّسُلِ“ کا الف لام استغراقی ہے یعنی تمام انبیاء کو یہی پیغام دیا گیا تھا اس سے

یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ہر نبی کوئی نہ کوئی پیغام لے کر آیا تھا۔ اسی پیغام کا نام شریعت تھا۔ یہ فرض کر لینا کہ بعض انبیاء شریعت کے بغیر آئے تھے ایک مضحکہ خیز تصور ہے اگر ان انبیاء کے پاس کوئی پیغام یا شریعت یا ضابطہ اخلاق موجود نہیں تھا تو ان کی تشریف آوری کا مقصد کیا تھا۔ کیا وہ بھڑیں چرانے آئے تھے یا ایران و عرب میں تجارتی تعلقات قائم کرنے آئے تھے جب وہ نبی تھے تو اللہ تعالیٰ نے لازماً وحی سے ان کی مدد کی ہوگی۔ خیر و شر کے تمام ضوابط سمجھائے ہوں گے اور ان انبیاء نے نسل انسانی سے کہا ہو گا کہ چوری، زنا، جھوٹ، بددیانتی وغیرہ سے بچو اور سچائی کو اختیار کرو۔ میزان کے معامرتی روابط میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے نکاح، وراثت، وغیرہ پر مفصل ہدایات دی ہوں گی کیا شریعت ان اخلاقی و معاشرتی ضوابط سے الگ کوئی چیز ہے؟ پس ہم کسی نبی کو غیر شرعی فرض ہی نہیں کر سکتے ہر نبی کے ساتھ وحی تھی۔ وہ نبی وحی سے درس خیر و شر لے کر امت تک پہنچاتا تھا اسی وحی کا نام خواہ وہ دس صفات میں پھیلی ہوئی تھی یا ہزار میں شریعت ہے جو زمانے میں ایک تھی۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَآلَهُ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ اِبْرٰهٖمَ وَمُوسٰى وَعِيسٰى

(اے محمد ہم تمہیں وہی دین اور وہی شریعت دے رہے ہیں جو نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی تھی۔)

ان تمہیدی گزارشات کے بعد آئیے اس آیت پر بحث کریں جس کی مختلف تفسیر میر نے ہمارے کئی ہزار بھائیوں کو ہم سے الگ کر دیا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّۦنَ

محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (بلکہ اس کی مثبت و رحمت کا دامن وسیع تر ہے) یعنی وہ اللہ کا رسول اور خاتم الانبیاء ہے۔

اس آیت کا صرف ایک لفظ خاتمہ وجہ نزاع بنا ہوا ہے احمدی بھائی اس کا ترجمہ مہر کرتے ہیں۔ محمد علیہ السلام انبیاء کی مہر ہیں۔ یعنی امت محمدیہ کے انبیاء حضور علیہ السلام کے مہر شدہ فرمان سے آئیں گے اور حضور کی تصدیق کے بغیر آئندہ کوئی نبی نہیں آسکے گا اور باقی مسلمان خاتم کے معنی آخری کہتے ہیں دونوں تفسیروں میں انتہائی تضاد ہے ایک تفسیر سے سلسلہ انبیاء جاری رہتا ہے اور دوسرے سے بند ہو جاتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا فیصلے کے لیے کہاں لے جائیں مجھے صرف تین ایسی عدالتیں نظر آتی ہیں جو اس نزاع پر فیصلہ دینے کی مجاز ہیں۔ اول علمائے لغت یعنی عربی زبان کے ماہرین۔ دوم قرآن اور سوم حدیث۔

المُنْجَد: الخاتم والخاتمة حاقبة كل شيء

لغت کی روشنی میں (ہر چیز کے آخر کو خاتم و خاتم کہتے ہیں)

منتھو لا رب خاتم = مہر، انگوٹھی، پایان کار

خاتم = آخر ہر چیز۔ پایان آں و آخر قوم

مفردات القرآن۔ صراح قاموس۔ تہذیب (ازہری) لسان العرب

تاج العروس۔ مجمع البحار۔ صحاح العربیہ اور کلیات ابی البقا میں خاتم و خاتم کے

معانی تقریباً ایک جیسے دیے ہوئے ہیں۔ یعنی

وہ نگینہ جس پر نام کندہ ہو۔

انگوٹھی۔

۳ - آخر - انجام

۴ - کسی چیز کو ختم کرنے والا

۵ - کاغذ پر مہر کا نقش

اب دیکھنا یہ ہے کہ آیہ زیر بحث میں کون سے معنی چسپاں ہوتے ہیں
”آخری نبی“ کا مفہوم تو بالکل صاف ہے لیکن نبیوں کی مہر یا انگوٹھی کا کوئی مطلب سمجھ
میں نہیں آتا پہلے ان فقروں کو پڑھیے :

۱ - یہ مہر زبیدی ہے

۲ - یہ مہر عدالت کی ہے

۳ - یہ مہر مجسٹریٹوں کی ہے

کیا آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے میجسٹریٹ بنتے ہیں؟ کیا دوسرے
جملے کا مطلب یہ ہے کہ اس مہر سے عدالتیں تیار ہوتی ہیں اگر یہ مفہوم صریحاً غلط ہے تو پھر
، خاتم الانبیاء (نبیوں کی مہر) کی یہ تفسیر کیسے درست ہو سکتی ہے کہ ایسی مہر
جس سے نبی بنتے ہیں نحو کی رو سے خاتم مضاف ہے اور انبیاء مضاف الیہ ہے۔

دنیا کی کسی بھی زبان میں ایک بھی ایسا مضاف موجود نہیں جو مضاف الیہ کا خالق و
موجد ہو۔ اس لیے خاتم الانبیاء سے ایسی مہر مراد لینا جو انبیاء تیار کرتی ہو نہ صرف عربی
لغات کی رو سے غلط بلکہ ہر زبان کے قواعد کے خلاف ہے مضاف اور مضاف الیہ
میں صرف نو قسم کے تعلقات ہو سکتے ہیں۔

۱ - اول - مضاف مملوک ہو اور مضاف الیہ مالک مثلاً کتاب زید

۲ - دوم - عام خاص گل انار

- سوم - مضاف الیہ مضاف کی توضیح کرے ۔ کتاب شاہنامہ
- چہارم - مضاف ، مضاف الیہ سے بنا ہو ۔ خاتم زر
- پنجم - مضاف منظروف اور مضاف الیہ طرف ہو ۔ آب دریا
- ششم - مضاف بٹیا یا بٹی ہو ۔ ابن مریم
- ہفتم - مضاف مشبہ بہ اور مضاف الیہ مشبہ ہو ۔ مار زلف
- ہشتم - مضاف مستعار اور مضاف الیہ مستعار لہ ہو ۔ پائے عقل
- نہم - مضاف کو مضاف الیہ سے کچھ تعلق ہو ۔ شہر ما
- مکتب ما ۔ کوئے ما وغیرہ

لیکن خاتم الانبیاء کی احمدی تفسیر سے ایک ایسا مرکب اضافی وجود میں آتا ہے جس کی کوئی نظیر دنیا کی کسی زبان میں نہیں مل سکتی۔

علاوہ انہیں جب خاتم کا لفظ کسی جماعت یا گروہ کی طرف مضاف ہو تو وہ لازماً ”آخری“ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً خاتم المہاجرین (آخری مہاجر) خاتم المنجمین (آخری منجم) خاتم الخلفاء (آخری خلیفہ) اور خاتم الانبیاء (آخری نبی) عربوں کے وسیع لٹریچر میں اس کی لاکھوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن اس قاعدہ کے خلاف ایک بھی مثال موجود نہیں۔ بہر حال لغت، نحو اور کلام عرب کی روشنی میں خاتم الانبیاء کے معنی صرف آخری نبی ہو سکتے ہیں و بس آئیے اب یہ دیکھیں کہ خود قرآن نے ”خاتم“ کی تفسیر کیا پیش کی ہے۔ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

قرآن شریف کی قرآن شریف ہی سے تفسیر کرو اور دیکھو کہ وہ ایک ہی معنی رکھتا ہے یا متفرق معنی لیتا ہے اور اقوال سلف و خلف در حقیقت کوئی مستقل حجت

نہیں۔ اور ان کے اختلاف کی حالت میں وہ گروہ حق پر ہوگا جن کی رائے قرآن کریم کے مطابق ہے۔“

(ازالہ اوہام ج ۲ - صفحہ ۵۳۸)

”غرض اس متبادر اور مسلسل معنوں کے سوا جو قرآن شریف سے اول سے آخر تک سمجھے جاتے ہیں ایک نئے معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا یہی تو الحاد اور تحریف ہے۔“

(ازالہ ج ۲ - صفحہ ۷۵)

یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے لیے ہمارے نزدیک وہی معنی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہیں کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں۔

(آریہ دھرم صفحہ ۸۳)

مرزا صاحب کے ان ارشادات سے ہمیں سو فیصدی اتفاق ہے آئیے اب یہ دیکھیں کہ قرآن کے دیگر مقامات سے ”خاتم“ کی کونسی تفسیر مستنبط ہوتی ہے۔ اگر ہم صحائفِ اولیٰ پہ نظر ڈالیں تو ہمیں جا بجا آنے والے انبیاء کے متعلق بشارات ملتی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں ایک رسول کے ظہور کی دعا مانگ رہے ہیں

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا

(اے اللہ تو اہل مکہ کی طرف رسول بھیج)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مسلسل کسی نبی کی بشارت منارہے ہیں۔ خداوند تیرا خداوند تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں

میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔“

(استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵)

حضرت یسعیاہ ایک اُنی نبی کی خبر دے رہے ہیں۔

”وہ کتاب ایک ان پڑھ کو دیں اور کہیں کہ پڑھ۔ اور وہ کہے میں تو ناخواندہ ہوں۔“

(یسعیاہ باب ۲۹ آیت ۱۲)

تورات مقدس خداوند کا جلال پھر وادی فاران میں دیکھ رہی ہے

”خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر

ہوا دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے ایک

آتشیں شریعت تھی۔“

(استثنا باب ۳۳ آیت ۳۱)

حضرت ذکر یا ایک نجات دہندہ کا ذکر فرما رہے ہیں۔

”اے یروشلم کی بیٹی تو خوب للکار کہ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ صادق

ہے اور نجات دینا اس کے ذمے ہے۔“

(ذکر یا باب ۹ آیت ۹)

حضرت مسیح علیہ السلام بیسیوں پیرالویوں میں ایک پُر جلال

رسول کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔

”اُس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار

آتا ہے۔“

(یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

لیکن قرآن حکیم میں کسی آنے والے نبی کا اشارہ تک موجود نہیں بلکہ حضور علیہ السلام کو خاتم الانبیاء قرار دینے کے بعد تقریباً ایک سو آیات میں اس حقیقت کو بار بار دہرایا ہے کہ اب قیامت تک کوئی اور وحی نازل نہیں ہوگی۔ تمام آیات کو یہاں درج کرنا دشوار ہے اس لیے چند ایک ملاحظہ فرمائیے:

(۱) سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں مومنوں کی تعریف یہ بتائی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے کے بعد صلوٰۃ و زکوٰۃ پر کار بند ہوتے ہیں:

اور

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ
بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

وہ اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل ہوئی جو تم سے پہلے انبیاء کو دی گئی۔ اور پھر قیامت پر ایمان لاتے ہیں، غور کرو کہ حضور علیہ السلام اور قیامت کے درمیان کسی وحی کا ذکر موجود نہیں مسلمان کی تعریف صرف اتنی ہی بتائی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام اور سابق انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پر یقین رکھتا ہو اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کی آمد مقدّر ہوتی تو جس اللہ نے صلوٰۃ و زکوٰۃ پر اندازاً ڈیڑھ سو اور مطالعہ کائنات پر ساڑھے سات سو آیات نازل کیں جس نے زمین پہ چلنے گفتگو کرنے نکاح طلاق و نحو قرآنی تجاہد و قرض جیسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو کھول کھول کر بیان کیا کیا یہ ممکن تھا کہ وہ امت مسلمہ کو ایک نبی کی آمد سے غافل رکھتا؟ اور حضور علیہ السلام کے بعد صرف قیامت پر ایمان لانے کا

حکم دیتا؟ جس اللہ نے پہلے انبیاء کو بار بار تاکید کی تھی کہ بعد میں آنے والے انبیاء پر بھی ایمان لانا اور جن کے صحائف اس قسم کی پیشگوئیوں سے لبریز ہیں۔ وہ اللہ مسلمانوں پر یہ ظلم نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے تو حضور کو خاتم النبیین قرار دیتا پھر ایک سو آیات میں انہیں حضور اور پہلے انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کے بعد قیامت پہ یقین رکھنے کی ہدایت کرتا ایسے لوگوں کو

أَوَلَيْكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(انہوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے)

ہدایت یافتہ و ناجی قرار دیتا ہے اور پھر چکے سے ایک رسول بھی بھیج دیتا۔

(۲۱) حضور علیہ السلام کو اپنی امت سے عشق تھا۔

عَزَّيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ دَدُوٌّ

رَحِيمٌ ط

محمد کو تمہاری تکلیف سخت شاق گزرتی ہے وہ تمہیں سر بلند دیکھنے کے

بے مضطرب ہے اور وہ تم پر بے حد مہربان اور شفیق ہے

نو جس رسول کو اپنی امت سے یہ عشق تھا کیا وہ برداشت کر سکتا تھا کہ

ساری امت آنے والے نبی سے غافل رہ کر جہنم کا ایندھن بن جائے۔ یقیناً کسی نبی کی

بعثت مقدر ہی نہیں تھی ورنہ حضور علیہ السلام کی وحی میں لازماً اس کا ذکر ہوتا:

(أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ)

اے مسلمانو! خدا، رسول عربی اور اپنے فرماں روا کی جو تم میں سے ہو۔ اطاعت کرو

اگر رسول عربی صلعم کے بعد کسی نبی کو بھی آتا ہوتا تو اللہ اس کی اطاعت

کی بھی ہدایت نافذ کرتا اولی الامر کی اطاعت کا حکم دینا اور کسی نبی کا ذکر تک نہ کرنا صاف اعلان ہے اس حقیقت کا کہ حضور علیہ السلام آخری نبی تھے :

(۴) اٰمِنُوْا بِمَا نُنَزِّلُ مِنْ سُوْرٍ وَّالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی
رَسُوْلِهِ وَاَلْكِتٰبِ الَّذِیْ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِهٖ

اے لوگو! خدا و رسول عربی پر ایمان لانے کے بعد اس کتاب کو جو رسول عربی

پر اتری ہے اور ان کتابوں کو جو پہلے اتر چکی ہیں۔ مانو (

یہاں پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم تو موجود ہے لیکن
بعد میں آنے والی کسی وحی کا ذکر موجود نہیں۔

(۵) وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

(مومن وہ ہے جو اے رسول تیری وحی اور تجھ سے پہلے انبیاء کی وحی پر ایمان لائے)

غور کا مقام ہے کہ جس اللہ نے حضور اور گزشتہ انبیاء کی وحی پر ایمان لانے کا
سو مرتبہ حکم دیا کیا وہ صرف ایک مرتبہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنْ بَعْدِكَ

کہ مومن آنے والے انبیاء پر ایمان لائے گا۔ کیوں نہیں کہا؟ کیا اللہ تعالیٰ کو پہلی
گمراہی مقصود تھی؟ کیا کسی نبی پر ایمان لانا اس قدر مشکل فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے صیغہ
راز ہی میں رکھنا مناسب سمجھا۔ تاکہ لوگ اسلام سے منحرف نہ ہو جائیں؟ جو مسلمان پہلے ہی ڈیرہ

لاکھ انبیاء پہ ایمان رکھتا ہے اسے صرف ایک اور نبی کو تسلیم کرنے میں کیا تکلیف ہو
سکتی تھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نبی کی آمد مقدر ہی نہیں تھی ورنہ ساڑھے چھ
ہزار آیات نازل کرنے والا خدا کم از کم ایک آیت تو اس موضوع پہ بھی نازل کرتا:

خاتم النبیین کی تفسیر حدیث میں

مسئلہ ”حدیث“ پر میں ایک پوری کتاب ”دو اسلام“ کے نام سے لکھ چکا ہوں
میرے ہاں صرف وہی حدیث قابل اتقناد ہے جو قرآن کی تفسیر اور قرآن کے مطابق ہو
کسی حدیث کو وحی کا درجہ حاصل نہیں ہمارے پاس جو کتاب بذریعہ وحی پہنچی وہ قرآن حکیم ہے
جس طرح ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ قرآن کی تفسیر پیش کریں اسی طرح صحابہ کرام کو بھی تفسیر الوحی کا
حق حاصل تھا حدیث کیا ہے؟ حضور علیہ السلام اور صحابہ کے اقوال و اعمال و مجموعہ قرآن
انہی پہ انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا یہ بزرگ قرآن کو ہم سے بہتر سمجھتے تھے اس لیے نامناسب
نہ ہوگا اگر ہم ”خاتم النبیین“ کی تفسیر سمجھنے کے لیے حدیث سے بھی مدد لیں:
جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

دوسری کتابیں جو ہماری مسئلہ کتابیں ہیں ان میں سے اول درجہ پر صحیح بخاری
ہے اور اس کی تمام وہ احادیث ہمارے ہاں حجت ہیں جو قرآن شریف سے مخالف
نہیں اور ان میں سے دوسری کتاب ”صحیح مسلم“ ہے اور اس کو ہم اس شرط سے مانتے
ہیں کہ قرآن اور صحیح بخاری سے مخالف نہ ہو اور تیسرے درجہ پر صحیح ترمذی

ابن ماجہ۔ موطا۔ نسائی۔ ابن داؤد۔ دارقطنی کتب حدیث ہیں جن کی حدیثوں کو اس شرط سے صحیح مانتے ہیں کہ قرآن اور صحیحین سے مخالف نہ ہوں۔“

(آریہ دھرم)
یوں تو احادیث کے وسیع دفتر میں ختم نبوت پر بہت زیادہ احادیث ہوں گی
لیکن اس وقت میرے سامنے دو سو دس احادیث ہیں جن میں سے صرف چند
ایک درج ہیں:

اول

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصر احسن بنیانہ تزل
منہ موضع لبنة قطاف به النظر یتعجبون من حسن
بنیانہ الا موضع تلك اللبنة - فکت انا موضع اللبنة
ختم بی النبیین وختم بی الرسل:

(بخاری مسلم ابن عساکر احمد نسائی)
میرا تعلق گذشتہ انبیاء سے اس عمارت کی طرح ہے جو مکمل ہو گئی لیکن اس میں
ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس عمارت کا چکر کاٹتے اس کی استواری و حسن
تعمیر کی تعریف کرتے اور اس خالی جگہ پر حیرت کا اظہار کرتے۔ اس خالی جگہ کی
اینٹ میں ہوں۔ میری وجہ سے نبوت کی عمارت مکمل ہو گئی اور مجھ پر انبیاء کا خاتمہ
ہو گیا ہے،

خاتم النبیین کی کس قدر صاف تفسیر ہے:

دوم

ان بنی اسرائیل کانت تسوسہ انبیاءہم کلما ذهب نبی
 خلف بنی۔ فافہ لیس کائناً فیکم بنی بعدی قالوا فہا یکون یا
 رسول اللہ۔ قال یکون خلفاءہ (بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ ابن ماجہ)
 بنی اسرائیل کے سردار انبیاء ہوا کرتے تھے ایک نبی کے بعد دوسرا آجاتا تھا
 لیکن اے مسلمانو! تم میں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔
 صحابہ نے پوچھا تو پھر ہمارے حاکم کون ہوں گے؟ فرمایا خلفاء،

سوم

أُوسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخَتَمْتُ عَلَى النَّبِيِّاتِ

(مسلم ترمذی)

میں تمام نسل انسانی کی طرف مبعوث ہوا ہوں اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ
 ختم ہو گیا ہے۔

اس حدیث کا پہلا ٹکڑا: اِنِّیْ رَاسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۵)
 میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ (قرآن) اور دوسرا خاتم النبیین کی
 تفسیر ہے۔)

چہارم

سَیْکُوْنَ فِیْ اُمَّتِیْ کَذٰبُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کَلِمَہٌ یُّزَعَمُ اَنَّہ

نَبِيُّ وَاخَاتِمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ۝

(مسلم، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

(میری امت میں تمیں ایسے جھوٹے آئیں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے یاد رکھو کہ میں خاتم الانبیاء ہوں، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)

پنجم

إِنِّي آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَكْثَرُ الْأُمَمِ (البودادہ ابن ماجہ)

(میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو)

لاحظہ فرمایا آپ نے کہ حضور علیہ السلام نے خاتم النبیین کی کتنی واضح تفسیر فرمائی ہے یعنی آخری نبی:

ششم

قَالَ آدَمُ مِنْ مُحَمَّدٍ - قَالَ آخِرُ وَلَدِ هَذَا النَّبِيِّ ۝

(ابن عساکر)

آدم نے اللہ سے پوچھا کہ محمد کون ہے؟ فرمایا سلسلہ انبیاء میں تیرا آخری

ہفتم

يَا أَبَا ذَرٍّ - أَوَّلُ الْأَنْبِيَاءِ آدَمُ وَآخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ ۝ (ترمذی، ابن عساکر)

(اے ابو ذر! پہلا نبی آدم تھا اور آخری محمد ہے)

ہشتم

ذهبت النبوة فلا بنوة بعدى الا المبشرات
قيل وما المبشرات - قال الرديا الصالحة

(بخاری مسلم طبرانی احمد)

نبوت ختم ہو چکی ہے میرے بعد نبوت نہیں ہوگی۔ صرف بشارات ہوں گی کسی
نے پوچھا کہ یہ بشارات کیا ہیں؟ فرمایا: صحیح خواب

اگر حضور علیہ السلام کے بعد ظلی، بروزی، کشفی، جزوی یا تبعی نبوت کا وجود
بھی ہوتا تو آپ ضرور ذکر فرماتے لیکن آپ نے صحیح خواب کے بغیر باقی ہر قسم کی نبوت کا
انکار کر دیا اس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ حضور علیہ السلام پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے۔

نہم

جب فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ نے حضور علیہ السلام سے ہجرت کی اجازت
طلب کی تو آپ نے جواب میں لکھا:

يَا عَمْرُو افخر مكانك الذي انت به فات الله قد ختم

بك المحجة كما ختم بي النبوة

(طبرانی ابن عساکر)

(اے میرے چچا وہی ربو اللہ نے تم پر ہجرت کو یوں ختم کر دیا ہے جس طرح
مجھ پر نبوت کو)

دہم

أَنَا الْعَاقِبُ - وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ ۝

(بخاری مسلم موطا ترمذی)

(میں عاقب (آخری) ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی

نہ ہو۔)

یہ تھیں چند احادیث مشتملہ نمونہ از خروارے جن میں لفظ خاتم کی تشریح مختلف اسلوبوں پر الویں اور عبارتوں میں پیش کی گئی ہے کہیں حضورؐ نے فرمایا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ کہیں اپنے آپ کو عاقب کہیں آخر الانبیاء اور کہیں تعمیر نبوت کی آخری اینٹ قرار دیا تاکہ لفظ خاتم کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہ رہے نیز خاتم النبیین میں لفظ "النبیین" یہ استغراقی ال لگا کر ہر قسم کی نبوت کا امکان ختم کر دیا۔ الف لام کی چار قسمیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک استغراقی ہوتا ہے جس کا مفہوم ہوتا ہے "تمام کل" یہ جب جمع پر داخل ہو تو عموماً استغراقی ہوتا ہے۔

علامہ ابو یوسف اپنی کلیات میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ التَّعْرِيفِ سَوَاءٌ دَخَلَتْ عَلَى الْفُرْدِ أَوْ عَلَى الْجَمْعِ تَقْدِيرُ

الاستغراقِ إِذَا كَانَ مَعَهُ دَأْ ۝

(الف لام مضر پر داخل ہو یا جمع پر استغراقی ہوگا ہاں اگر تعین کر لی

جائے تو اور بات ہے)

مثلاً هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (قرآن تمام متقین کے لیے ہدایت ہے) واللہ

محیط با کافرین (اللہ تمام کفار کا محاصرہ کر رہا ہے) رب العالمین (اللہ تمام کائنات کا رب ہے) وغیرہ وغیرہ۔

تو خاتم النبیین کے معنی ہوں گے ”تمام نبیوں کا خواہ وہ ظلی ہوں یا امتی ختم کرنے والا“ اگر خاتم کے معنی یہ کیے جائیں کہ صرف تشریفی انبیاء ختم ہوئے ہیں تو پھر خاتم النبیین کا مفہوم ہو گا خاتم بعض النبیین یعنی حضور شرعی انبیاء کے خاتم ہیں اور غیر شرعی آتے رہیں گے ختم یا خاتمہ انتہا کا دوسرا نام ہے وہ انتہا کیسی جس کے بعد بھی کوئی چیز موجود ہے ”وہ آخری گاڑی“ کیسی جس کے بعد بھی گاڑیاں آتی رہیں اور وہ جیب میں ”آخری پیسہ“ کیسا جس کے بعد بھی جیب میں دوسرا روپے باقی ہوں :

چودہ لاکھ احادیث کے دفتر بے پایاں میں جہاں وضاعین نے سیکڑوں مقامات پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیا ہے۔ صرف ایک حدیث ایسی ملتی ہے جس سے اجرائے نبوت کا امکان نکلتا ہے اور وہ یہ ہے جب حضور علیہ السلام کا فرزند ابراہیم فوت ہو گا۔ تو بروایت ابن ماجہ آپ نے فرمایا :-

لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدْقًا نَبِيًّا

(اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا)

یہ روایت محض غلط ہے اس لیے کہ قرآن حکیم کی ایک سو آیات اور دوسو احادیث کے خلاف ہے اور اس کی وہی تفسیر قابل قبول ہے جو امام بخاری، ابو نعیم اور احمد نے پیش کی۔
فرماتے ہیں :-

و لو قضي بعد محمد صلعم نبی عاش ایسے دلکرت لانی

بعد اٹ

(اگر حضور علیہ السلام کے بعد کسی نبی کا آنا مقدر ہوتا تو ابراہیم زندہ رہتا اور آپ کے بعد نبی بنتا لیکن حضور کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔)
اور تقریباً ہی مضمون ہے حدیث ذیل کا جو احادیث کے تمام مجموعوں میں موجود ہے
(لو کات بعد ی نبیا لکات عمو)
(اگر میرے بعد نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا)

لفظ خاتم کا استعمال جناب مرزا صاحب کے ہاں

جناب مرزا صاحب نے سیکڑوں مرتبہ لفظ خاتم استعمال فرمایا اور ان مقامات کے بغیر جہاں "خاتم النبیین" کی تفسیر "نبی سار" فرماتے ہیں، باقی ہر مقام پر اس لفظ کو "آخری" کے معنوں میں استعمال کیا مثلاً:

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسوی خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ کا ذکر فرمایا جو موسیٰ کی قوم کا خاتم الانبیاء تھا۔

(تحفہ گوٹروہ صفحہ ۳۶)

یہ ماننا ضروری ہے کہ وہ (سیح موعود یعنی خود مرزا صاحب) اس امت کا

خاتم الاولیاء ہے۔ جیسا کہ سلسلہ موسویہ کے خلیفوں میں حضرت عیسیٰ خاتم الانبیاء ہے۔

(تحفہ گوٹرویہ صفحہ ۳۹)

”مسیح موعود خاتہ خلیفائے محمدیہ ہے“

(تحفہ گوٹرویہ صفحہ ۹۲)

ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

کہ کوئی نیا نہ پرانا

انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۳۱

اللہ نے حضرت مسیح کو امت موسویہ کا خاتم الانبیاء بنایا۔

(ترجمہ خطبہ الہامیہ صفحہ ۴۶)

”انا خاتم الاولیاء لا ولی بعدی“

میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں آئے گا

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۳۵)

”اہل کشف نے مسیح موعود کو جو آخری خلیفہ اور خاتم المحدثین ہے“

(حقیقتہ الہی ص ۲۱-۲)

اور میں جانتا ہوں کہ تمام نبوتیں اس حضور علیہ السلام پر ختم ہیں اور اس کی برکت

خاتم الشرائع ہے :

(چشمہ معرفت ص ۲۲)

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جناب مرزا صاحب نے لفظ خاتم کو باقی ہر مقام

پر آخری کے معنوں میں استعمال کیا ہے لیکن جب خاتم النبیین کی تفسیر

کرنے لگے تو فرمایا :

اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ہے یعنی آپ کی پیروی کمالات
نبوت بھشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۹۶)

اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ جب اپنے آپ کو خاتم الخلفاء والانبیاء قرار
دیتے ہیں تو لفظ خاتم کو پھر آخری کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں خطبہ الہامیہ میں
اپنی نبوت پر بحث کرتے ہوئے حدیث کی اینٹ اور عمارت والی تمثیل کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

فَارَادَ اللَّهُ أَنْ يَتِمَّ الْبِنَاءُ وَيَكْمَلَ الْبِنَاءُ بِاللَّيْنَةِ الْآخِيَةِ
فَإِنَّا تِلْكَ اللَّيْنَةُ هُ

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۱۲)

(پھر اللہ نے چاہا کہ نبوت کی عمارت کو آخری اینٹ سے مکمل کرے
وہ آخری اینٹ میں ہوں)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب آخری نبی ہیں اور آئندہ کوئی
نبی نہیں آئے گا:

”اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے
تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں..... اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا..... تا جیسا
کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ ایسا شخص ایک ہی ہو گا وہ پیشگوئی پوری ہو جائے“

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۳۹۱)

ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

اس آیت میں ایک پیش گوئی مخفی ہے اور یہ ہے کہ اب نبوت پر قیامت

تک مہر لگ گئی ہے۔ بجز برزخی وجود کے جو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود سے ایک
برزخ محمدی جمیع کمالات محمدی کے ساتھ آخری زمانہ کے لیے مقدر تھا سو وہ ظاہر
ہو گیا۔ (ایک غلطی کا ازالہ مصنفہ جناب مرزا صاحب)

اس اقتباس میں ”ایک برزخ محمدی“ کا جملہ زیر نظر رکھیے اور ان تمام اقتباسات
کا ملخص عبارت ذیل میں ملاحظہ فرمائیے :

امت محمدیہ میں ایک سے زیادہ نبی کسی صورت میں بھی نہیں
آ سکتے بنا چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے صرف ایک نبی اللہ کے آنے
کی خبر دی ہے جو مسیح موعود ہے اور اس کے سوا قطعاً کسی کا نام نبی اللہ
یا رسول اللہ نہیں رکھا جائے گا اور کسی اور نبی کے آنے کی خبر آپ نے دی
ہے بلکہ لا نبی بعدی فرما کر اوروں کی نفی کر دی اور کھول کر بیان فرما
دیا کہ مسیح موعود کے سوا میرے بعد قطعاً کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔
(رسالہ تشہید الاذیان قادیان ماہ مارچ ۱۹۱۴ء)

ان اقتباسات کا ماحصل یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب اپنے آپ کو آخری نبی

لا نبی بعدی کی عجیب تفسیر ہے کہ (نہیں) نبی (کوئی نبی) بعدی (میرے بعد)
یعنی حضور فرما رہے ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور ایڈیٹر صاحب سوائے
”مسیح موعود کے“ کا اضافہ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ ”سوائے مسیح موعود“ کس عبارت
کا ترجمہ ہے۔ (برق)

سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ اکابر احمدیت کا ہے۔ ساتھ ہی خاتم انبیاء کے معنی یہ کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ”روحانی توجہ نبی تراش ہے“ اس تشبیہ پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں :

۱۔ اول :- جب حضور علیہ السلام کی توجہ سے نبی پیدا ہو سکتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ کے صحابہ کرام میں سے کوئی شخص مثلاً ابو بکر، عمر، علی، ابن عوف، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم منصب نبوت پر فائز نہ ہو سکا۔ یہ حضرات اطاعت و متابعت کے اس مقام اعلیٰ پر فائز تھے کہ بقول حضور

انّ اصحابی کالنجوم بالیہم اقتدا یتمواھتد یتتبعو ۵

(میرے صحابہ روشن ستارے ہیں۔ تم جس کی بھی پیروی کرو گے منزل کو پاؤ گے) یہ حضرات اس درجہ کے عابد تھے کہ نماز میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں سوج جاتے تھے۔ اس بلا کے فدا کار تھے کہ جب ابروئے رسالت کا اشارہ پاتے تھے تو گھر میں صرف خدا و رسول کا نام چھوڑ آتے تھے اس غضب کے مجاہد تھے کہ ان کی شمشیر خوار اشکاف سے ہفت اقلیم کی طاغوتی طاقتیں لرز رہ بر اندام تھیں اس کمال کے عادل تھے کہ جب خیبر کے یہودیوں نے ایک صحابی کو سمیم و زر کی رشوت دے کر کوئی بے انصافی کرنا چاہی وہ اس نے انکار کر دیا۔ تو اکابر خیبر لوگ اٹھے :

”وہ خدا کی قسم ارض و سما اسی انصاف کے بن پر قائم ہیں“

ان حضرات کی استقامت اقوی طاعت رسول اتفاق ایثار جانبازی

اور عبادت گزاری پر بیسیوں آیات شاہد ہیں۔ صرف ایک ملاحظہ ہو :

محمد رسول اللہ ، الذین معہ اشتد آع علی الکفار
 رحمہم ببینہم۔ تراہم رکعاً سجداً یبتغون
 فضلاً من اللہ ورضواناً۔ سیماہم فی وجوہہم
 من اثر السجود ذالک متلہم فی التورۃ والانجیل
 کذراع ولعزاً عظیماً

در محمد اللہ کے رسول ہیں ان کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں سخت اور آپس میں نرم ہیں تم انہیں عموماً رکوع و سجود کی حالت میں خدائی فضل و کرم کا طالب پاؤ گے عبادت کی وجہ سے ان کے چہرے روشن ہیں ان کے حالات تورات و انجیل میں بھی مرقوم ہیں ان کی حالت اس شاخ کی سی ہے جو محکم و استوار بنتے بنتے ایک مضبوط ترین جائے کفار انہیں دیکھ کر آتش بغض و رقابت میں جلتے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے نیگ کا وعدہ کر رکھا ہے :

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کا مدارح خود رب العرش تھا اور جن کی اطاعت و فداکاری کی داستانوں سے ابھی تک ارض و سما گونج رہے ہیں ان میں سے کبوں کوئی معافی منسوب ہوئے ہو ؟

روم : ”خالنہ البیین“ دو الفاظ سے مرکب ہے خاتم اور البیین البیین جمع ہے نبی کی عربی میں جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے کتب کم از کم تین کتابیں مساجد کم از کم تین مسجدیں اگر خاتم سے مراد نبی تراش مہر لی جائے تو

”خاتم النبیین“ کی تفسیر ہوگی۔ کم از کم تین نبی بنانے والی مہر لیکن مرزا صاحب اپنی آخری کتابوں میں اعلان کر چکے ہیں کہ میں اس امت کا پہلا اور آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی۔ ولی یا خلیفہ نہیں آئے گا۔ اگر مرزا صاحب کا یہ دعویٰ درست سمجھا جائے تو قرآن کی آیت غلط ٹھہرتی ہے۔ بے کوئی حل اس مشکل کا؟

خاتم النبیین کی تفسیر جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں

صفحات گزشتہ میں ہم نے جناب مرزا صاحب کی تحریرات سے لفظ خاتم کی تفسیر پیش کی تھی اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ پورے مرکب یعنی

خاتم النبیین

کی تفسیر کیا فرماتے ہیں۔ ازالہ اوہام میں ارشاد ہوتا ہے :

ماکان محمد ابداً احد من رجالکم و لکن رسول اللہ
و خاتم النبیین

”یعنی محمد صلعم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں ہے مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا۔“

(ازالہ اوہام ج ۲ صفحہ ۶۱۴)

ازالہ اوہام ستمبر ۱۹۱۱ء کی تصنیف ہے اور مرزا صاحب کا دعویٰ سب سے کم از کم بیس برس پہلے کا تھا تفصیل آگے آئے گی اور۔

امور دینیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ ان (انبیاء) کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔

(ازالہ اوہام ج ۲ صفحہ ۶۹)

نیز بار بار فرماتے ہیں کہ وحی الہی مجھ پر بارش کی طرح برستی ہے اور خدا تعالیٰ کے پاک مکالمہ سے قریباً ہر روز میں مشرف ہوتا ہوں۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۳)

”میں اپنے خدائے پاک کے یقینی اور قطعی مکالمہ سے مشرف ہوں اور قریباً ہر روز مشرف ہوتا ہوں۔“

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶)

عجیب بات ہے کہ جناب مرزا صاحب بیس نہیں بلکہ تیس سال تک مسلسل لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ حضور علیہ السلام پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے اب کوئی نیا یا پرانا رسول نہیں آئے گا۔ لیکن وحی نے انہیں کبھی بھی نہ ٹوکا حالانکہ پہلے انبیاء کا یہ عالم تھا کہ غلطی ہوئی اور فوراً آسمان سے وعید و تنبیہ آگئی۔ جب حضور علیہ السلام آئے تو انہیں یہودی سے ذرا بے اعتنائی برتی۔ تو جھٹ ”سورہ عبس“ نازل ہوئی۔ لیکن مرزا صاحب پورے تیس برس تک ختم نبوت کے قائل رہے۔ مدعی نبوت کو کافر کہتے رہے اور جو جبریل دن میں کئی بار آپ کے ہاں آتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی آپ سے نہ کہا کہ حضرت! کہ آپ غلطی کر رہے ہیں اللہ نے آپ کو نبی بنایا ہے نبوت کا دروازہ کھلا ہے اسے بند کر کے اپنے لیے دشواریاں پیدا نہ کیجئے۔

بہر حال آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب مرزا صاحب نے خاتم النبیین کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا کیا ہے۔ ”نبیوں کو پیدا کرنے والا“ نہیں کیا۔ اس تفسیر کی مزید تشریح ملاحظہ ہو۔

”اے بھائیو..... ہم مسلمانوں کے لیے بجز قرآن شریف کے اور کوئی دوسری کتاب نہیں اور بجز خاتم المرسلین کے اور کوئی ہمارے لیے ہادی اور مقتدا نہیں۔“
(ازالہ - ج ۱ - صفحہ ۹۳)

نزول مسیح کے شہوہ عقیدے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”مسیح کیونکر آ سکتا۔ وہ رسول تھا اور خاتم النبیین کی دیوارِ روئین اس کو آنے سے روکتی ہے“

(ازالہ - ج ۲ - صفحہ ۵۲۲)

ظاہر ہے کہ جو دیوارِ مسیح کی راہ میں حائل تھی وہ مسیح کو غور کو بھی آنے سے روک سکتی تھی۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ایک دیوار ایک پرے رسول کو تو روک دے اور اچھے رسول کے آنے پر اس میں شکاف پڑ جائیں

سو یہ بات اس (اللہ) کے سچے وعدے کے برخلاف ہے کہ مردوں (مسیح) کو پھر دنیا میں بھیجنا شروع کر دے..... کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے نبی کی نبوتِ تامہ کے لوازم جو وحی اور نزولِ جبریل ہے اس (مسیح) کے وجود کے ساتھ لازم ہونی چاہیے؛ کیونکہ حسب تصریح قرآن رسول اسی کو کہتے ہیں جس نے احکام و عقائدِ دینِ جبریل کے ذریعے سے حاصل کئے ہوں۔ لیکن وحیِ نبوت پر تو تیرہ سو برس سے مہر لگ گئی ہے۔ کیا یہ مہر اس وقت ٹوٹ جائے گی۔

(ازالہ - ج ۲ - صفحہ ۵۲۳)

”اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح بن مریم کو لوازم نبوت سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔“

(ازالہ ج ۲ - صفحہ ۵۴۴)

”ظاہر ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ (مسیح پر) وحی کا نزول فرض کیا جائے اور صرف ایک ہی فقرہ حضرت جبریل لاویں اور پھر چپ ہو جائیں یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے کیونکہ جب ختمیت کی مہر ہی ٹوٹ گئی اور وحی رسالت پھر نازل ہونی شروع ہو گئی تو پھر حقوڑا یا بہت نازل ہونا برابر ہے۔“

(ازالہ ج ۲ - صفحہ ۵۷۷)

”یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبریل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے۔“

(ازالہ ج ۲ - صفحہ ۵۸۳)

”وہ وعدہ کر چکا ہے کہ بعد آنحضرت کے کوئی رسول نہیں بھیجا جائے گا۔“

(ازالہ ج ۲ - صفحہ ۵۸۴)

”خاتم الانبیاء کی عظمت دکھانے کے لیے اگر کوئی نبی آتا تو پھر خاتم الانبیاء کی
کی شان عظیم میں رخنہ پڑ جاتا۔“

(ازالہ - ج ۲ - صفحہ ۱۷۱۷)

یہ تو تھیں وہ تحریرات جو ستمبر ۱۸۹۱ء تک مرزا صاحب کے قلم سے نکلی تھیں
دسمبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے ”آسمانی فیصلہ“ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں
فرماتے ہیں:

”میں نبوت کا مدعی نہیں بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں“

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)

اے لوگو! اے مسلمانوں کی ذہنیت کھلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم
النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو۔
جس کے سامنے حاضر کیے جاو گے

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۲۵)

۱۸۹۲ء میں ارشاد ہوتا ہے

اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ جو سے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور
آئینہ گلاب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۲۹)

۱۸۹۲ء میں لکھتے ہیں

ہمارے سید رسول خاتم الانبیاء میں اور بعد آنحضرت صلعم کے کوئی نبی
نہیں آ سکتا (شہادت القرآن صفحہ ۲۱)

”نبی تو اس امت میں آنے سے رہے اب اگر خلفا بھی نہ آویں اور وقتاً فوقتاً
روحانی زندگی کے کرشمے نہ دکھلا دیں تو پھر اسلام کی زندگی کا خاتمہ ہے۔“
(شہادۃ القرآن صفحہ ۶۰)

۱۹۵ء میں کہتے ہیں:

”ہم اس کو خاتم الانبیاء جانتے ہیں کیونکہ اس پر تمام نبوتیں اور تمام پاکیزیاں
اور تمام کمالات ختم ہو گئے۔“

(آریہ دھرم صفحہ ۸۲)

۱۸۹۷ء میں ارشاد ہوتا ہے:

اور کیا الیسا وہ شخص جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور آیت و لہجہ رسول
اللہ و خاتم النبیین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں
بھی آنحضرت کے بعد رسول اور نبی ہوں؟ (اصل حقیقت جس کی
میں علی رؤس الاشهاد گواہی دیتا ہوں یہی ہے کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء
میں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ پرانا نہ کوئی نیا اس کے
بعد عربی عبارت ہے جس کا مختصر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی

نبوت کافر ہے

(انجام آتھم حاشیہ ص ۲)

۱۹۰۱ء میں فرماتے ہیں:

ایسا ہی پھر ان (عیسے علیہ السلام) کو نبوت اور وحی نبوت کے ساتھ زمین پر اتارنا یہ بھی صریح منطوق کلام الہی کے مخالف ہے کیونکہ موجب ابطال ختم نبوت ہے..... اگر حضرت مسیح موعود زمین پر اتریں گے اور پینتالیس سال تک جبریل وحی نبوت لے کر ان پر نازل ہوتا رہے گا تو کیا ایسے عقیدے سے دین اسلام باقی رہ جائے گا اور آنحضرت صلعم کی ختم نبوت اور قرآن کی ختم وحی پر کوئی داغ نہیں لگے گا۔

(تحفہ گوشتیہ صفحہ ۱۲)

اپریل ۱۹۰۲ء میں لکھتے ہیں:

اس جگہ مولوی احمد حسن صاحب امر دہلی کو بخارے مقابلہ کے لئے خوب موقع ملا ہے ہم نے سنا ہے کہ وہ بھی دوسرے مولویوں کی طرح اپنے مشرکانہ عقائد کی حمایت میں کہ تا کسی حضرت مسیح ابن مریم کو موت سے بچا کر اور دوبارہ اتار کر خاتم الانبیاء بنا دیں۔ بڑی جان کا ہی سے کوشش کر رہے ہیں۔

(دافع البلاء صفحہ ۱۵)

اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ جناب مرزا صاحب حضور کی شان ختم المرسلین کو سر رنگ میں قائم رکھنا چاہتے ہیں اور کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے کہ

کوئی نیا یا پرانہ نبی مہر نبوت کو توڑے۔

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں اعلان کرتے ہیں:

”نوع انسانی کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور
تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد صلعم
(کشتی نوح صفحہ ۱۳)

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بغیر کوئی اور رسول
نسل انسانی کے لیے مقدر نہیں، اسی کتاب میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے

”یہ جیسے مسیح اور مہدی صاحب کیسے ہوں گے جو آتے ہی لوگوں کو قتل
کرنا شروع کر دیں گے یہاں تک کہ کسی اہل کتاب سے بھی جزیہ قبول نہیں کریں
گے..... اور اس قدر انقلاب سے بھی میری بھی ختم نبوت
میں حرج نہیں آنے گا۔“

(کشتی نوح صفحہ ۶۸)

اقتباسات بالا کا ملخص یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں آپ کے
بعد کوئی نیا یا پرانہ نبی نہیں آسکتا، اور ہر مدعی نبوت (بعد از حضور) کاذب و
کافر ہے۔

”یہ تو تھا تصویر کا ایک رخ اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے:

یہ بات بالکل روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد
نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔“

حقیقۃ النبوة مصنفہ میاں محمود احمد صاحب

(امام جماعت احمدیہ صفحہ ۳۲۸)

اس دعوے کی مزید تشریح ملاحظہ ہو :
 ”یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ہر شخص ترقی کر سکتا ہے اور بڑے سے
 بڑا درجہ پاسکتا ہے حتیٰ کہ محمد صلعم سے بھی بڑھ سکتا ہے۔“
 (ارشاد میاں محمود احمد صاحب اخبار الفضل)
 ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء

خلیفہ صاحب کے یہ ارشادات بے اصل نہیں بلکہ ان کی بنیاد مرزا
 صاحب کی مختلف تحریرات پہ ڈالی گئی تھی مثلاً
 ”یکس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ ابداً حضرت
 صلعم کے دین الہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا اور آئندہ کو قیامت تک
 اس کی کوئی بھی امید نہیں..... کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہو سکتا ہے؟“
 (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳)

”آسمانی فیصلہ“ کا اقتباس پھر ٹپڑھیے :
 ”اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو! دشمن قرآن نہ بنو اور
 خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو۔“

حضرت مسیح بار بار فرماتے ہیں کہ میں تو رات کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ اسے
پورا کرنے آیا ہوں حضور علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ :
وَ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا (قرآن)
(اے رسول دین ابراہیمی کی پیروی کر)

نیز ارشاد ہوتا ہے :

یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِکُمْ (قرآن)

(اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ صداقت کو کھول کر بیان کر دے اور تمہیں
اسلاف کی مقدس راہوں پہ ڈال دے)

شروع میں ہم اس حقیقت کو واضح کر چکے ہیں کہ اسلام کسی نئے مذہب
کا نام نہیں بلکہ یہ اسی ازلی وابدی حقیقت کا اعادہ تھا جو سب سے پہلے آدمؑ اور
آپ کے بعد دیگر انبیاء کو نوبت بہ نوبت ملتی رہی۔ اس لیے صداقت کا متلاشی اسلاف
کی راہوں پہ چلنے کے لیے مجبور رہے ہر نبی اپنی امت کے لیے مطاع تھا :

وَمَا ارسلنا من رسول الا لیطاعہ

(ہر نبی اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ دنیاۓ انسانی اس کی اطاعت کرے،
اور اسلاف کا مطیع یعنی امتی اس لیے ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے اور امتی بھی چونکہ
آنحضرت آدم کے بغیر کوئی اور رسول غیر امتی ہے ہی نہیں اور چونکہ آنحضرت کے بعد وحی
رسالت کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اس لیے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کے بعد امتی انبیاء آسکتے
ہیں تو پھر نبوت کا سلسلہ ختم کیسے ہوا غیر امتی نبی تو ہوتا ہی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں

ہے کہ حکومت اعلان کی رو سے فوج میں سپاہیوں کی بھرتی بند کر دے اس کے باوجود ایک ریکروٹنگ آفیسر دھڑا دھڑ بھرتی کرتا جائے اور جواب طلبی پہ کہے کہ حکومت نے صرف ایسے سپاہیوں کی بھرتی سے منع کیا تھا جن کی تین ٹانگیں اور چار کان ہوں اور اپنے جواب کی تائید میں نہ تو حکومت کی کوئی چٹھی پیش کر سکے اور نہ تین ٹانگے سپاہیوں کا وجود ثابت کر سکے :

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بکھدی جائے اور مجھے کہا جائے کہ تم یہ ہو کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے کذاب ہے آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں :

(انوار خلافت مصنفہ میاں محمود احمد صاحب صفحہ ۲۵)

” نشان آسمانی “ کا اقتباس دوبارہ پڑھیے جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں :
میں اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ آنجناب کے بعد اس امت کے لیے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا ۔“

الفصل ۱۲ جون ۱۹۲۸ء میں ایک احمدی بزرگ لکھتے ہیں :
” خاتم النبیین آنے والے نبیوں کے لیے روک نہیں انبیائے عظام حضرت مسیح موعود کے خادموں میں پیدا ہوں گے ۔“

یہ اقتباس کوئی بڑ نہیں بلکہ مرزا صاحب کے الہام ذیل کا ترجمہ ہے :
يَنْصُرُكَ دَجَالٌ نَوْحِي اِلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ ۙ

(تمہاری مدد ایسے لوگ کریں گے جن پر آسمان سے وحی نازل ہوگی)

نیز مسیح موعود کو احمد نبی اللہ تسلیم نہ کرنا اور آپ کو امتی قرار دینا یا امتی گروہ میں سمجھنا گویا آنحضرت کو جو سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں امتی قرار دینا اور امتیوں میں داخل کرنا ہے جو کفر عظیم اور کفر بعد کفر ہے۔

(الفضل ۲۹ جون ۱۹۱۵ء)

یہ اقتباس جناب مرزا صاحب کے ارشاد ذیل کی تفسیر ہے :

”پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں۔“

(نزول المسیح صفحہ ۲)

ظاہر ہے کہ اصل اور مظہر میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا اگر جناب مرزا صاحب اسی مظہر ہونے کی بنا پر خاتم الانبیاء بن سکتے ہیں تو انہیں لازماً شرعی حقیقی اور غیر امتی نبی بھی ہونا چاہیئے اس لیے ”الفضل“ کی ترجمانی صحیح ہے :

”میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں اسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔“

(حقیقتہ الوحی صفحہ ۲۱۱)

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن کریم پر۔“

(البعین ۴ صفحہ ۲۵)

”سچا خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔“

(رفع البلاء صفحہ ۱۱)

ماکان لی ان ادعی النبوة راخروج عن الاسلام والحق

لقوم الکافرین - (جماعت البشری صفحہ ۹۶)

(میرے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ میں نبوت کا دعوے کر کے اسلام سے خارج ہو جاؤں اور کافر بن جاؤں؟)

”میں سبک اور حکام کی اطلاع کے لیے یہ بات واضح کر دینا چاہتا

ہوں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا مقدس نبی.....

..... اور بنی نوع انسان کا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔“

(ارشاد میاں محمود احمد صاحب الفضل ۲ جولائی ۱۹۲۵ء)

”میں مسلمانوں کے سامنے صاف صاف..... اقرار کرتا ہوں

کہ جناب خاتم الانبیاء صلعم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا

منکر ہو اسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔“

(مرزا صاحب کا بیان مندرجہ تبلیغ رسالت

ج ۲ صفحہ ۴۴)

جب پنجاب میں طاعون شروع ہوا، تو مرزا صاحب نے قادیان کے

متعلق فرمایا:

”قاریان اسی لیے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قاریان
میں تھا۔“ (دافع الہ صفحہ ۱۵)

ان تحریرات کو پڑھ کر آپ حیران ہوں گے کہ آخر جناب مرزا صاحب
کی کس بات کو تسلیم کیا جائے :
”ظاہر ہے کہ ایک دل سے دو متناقض باتیں نکل نہیں سکتیں۔ کیونکہ
ایسے طریق سے یا انسان پاگل کہلاتا ہے یا منافق۔“
(ست پچن صفحہ ۳۱ مرزا صاحب کی تصنیف)
”اس شخص کی حالت ایک مجبوط الحواس انسان کی ہے کہ ایک کھلا تناقض
اپنے کلام میں رکھتا ہے۔“

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸۴)

”جھوٹے کے کلام میں تناقض ضرور ہوتا ہے۔“
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۲)

اس تضاد کو رفع کرنے کے لیے مختلف توجہات سے کام لیا گیا :
اول : کہ جناب مرزا صاحب حضور علیہ السلام کا بروز منظر تھے آپ کی
ہستی حضور سے جدا نہیں تھی آپ کی صورت میں خود حضور علیہ السلام
دوبارہ تشریف لائے تھے اور آپ کا دعویٰ ختم نبوت کے منافی نہیں تھا :
میں موعود کا آنا بعینہ محمد رسول اللہ کا دوبارہ آنا ہے۔ یہ بات قرآن

سے صراحتہ ثابت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم دوبارہ مسیح موعود کی بروزی
صورت اختیار کر کے آئیں گے۔“

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

”اور آپ (جناب مرزا صاحب) کو چونکہ آنحضرت صلعم کا بروزی وجود
عطا کیا گیا تھا اس لیے آپ عین محمد تھے۔“

(الفصل ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء)

”آنحضرت صلعم کے لیے دو بعثت مقدر تھے ایک بعثت تکمیل
براہیت کے لیے دوسری بعثت تکمیل اشاعت براہیت کے لیے۔“

(الفصل ۱۴ جنوری ۱۹۳۱ء)

”پھر ثقیل اور بروزی میں بھی فرق ہے بروزی میں وجود بروزی اپنے
اصل کی پوری تصویر ہوتا ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے.....
پس فنا فی الرسول اور ثقیل ہونا بروزی سے علیحدہ چیزیں ہیں بروزی اور افتار
بہم معنی ہیں۔“

(الفصل ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

”میں ابھی احمدیت میں بطور بچہ ہی کے تھا جو میرے کانوں میں یہ آواز
پڑی مسیح موعود محمد است وعین محمد است۔“

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱)

مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب اور حضور علیہ السلام ہر لحاظ سے ایک ہیں لیکن دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ دونوں جسم و روح ہر دو لحاظ سے ایک تھے یا حضور کی صرف روح جناب مرزا صاحب میں داخل ہوئی تھی پہلی صورت بدلتہ غلط ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا جسد مطہر گنبد خضرا میں مدفون ہے اور دوسری صورت میں تنازع کا قائل ہونا پڑے گا جو عقائد اسلام کے خلاف ہے علاوہ ازیں قرآن حکیم شہداء کی حیات کا قائل ہے انبیاء کا درجہ شہداء سے بہت بلند ہوتا ہے لازماً انبیاء بھی حیات کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے احادیث میں مذکور ہے کہ شب معراج کو حضور کی ملاقات کئی انبیاء سے ہوئی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات عالم برزخ میں بقید حیات ہیں زندگی روح کا کرشمہ ہے اگر انبیاء کرام کی روح خود ان کے بزرگ اجسام میں موجود ہے تو پھر جناب مرزا صاحب میں حضور کی روح کہاں سے آگئی تھی کیا ایک انسان میں کئی ارواح ہوتی ہیں؟ کہ ایک اپنے پاس رکھ لی اور باقی بانٹ دیں آریائی فلسفے کی رو سے تو بروز و اوتار کا مسئلہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ لوگ تنازع کے قائل ہیں لیکن اسلام کی سیدھی سادی تعلیم ان پیچیدگیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی :

اور اگر عنینیت سے مراد وحدت اوصاف و کمالات ہو رتب بھی بات نہیں بنتی اس لیے کہ :

۱۔ حضور علیہ السلام اُمی تھے اور مرزا صاحب چھ درجن کتابوں کے مصنف

۲۔ وہ عربی تھے اور یہ عجمی

۳۔ وہ قریشی تھے اور یہ فارسی نسل

۴۔ وہ ذبیوی لحاظ سے بے برگ و بے نوا تھے اور یہ زمین و باغات کے مالک :

۵۔ انہوں نے مدنی زندگی کے دس برس میں سارا جزیرہ عرب زیر نگین کر لیا تھا۔ اور جناب مرزا صاحب جہاد و فتوحات کے قائل ہی نہ تھے۔

۶۔ وہاں قیصر و کسریٰ کے استبداد کو ختم کرنے کا پروگرام تھا اور یہاں انگریز کے جابرانہ تسلط کو قائم رکھنے کے منصوبے :

۷۔ وہاں اسلام کو آزادی کا مترادف قرار دیا گیا تھا اور یہاں غلامی کا مترادف (تفصیل کا انتظار فرمائیے)

الغرض نہ وحدت جسم و روح کا دعویٰ درست ہے نہ وحدت اوصاف و کمالات کا۔ تو پھر ہم یہ کیسے باور کر لیں کہ محمد ﷺ عین علام احمد تھے۔

دوم :- دوسری توجہ یہ کی جاتی ہے کہ نبوت و قسم کی ہے

تشریعی و غیر تشریعی۔ جہاں مرزا صاحب نے نبوت کا انکار

فرمایا ہے۔ وہاں تشریعی نبوت مراد ہے اور جہاں دعویٰ کیا

ہے۔ وہاں غیر تشریعی۔

وہ (حضور علیہ السلام) ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت ان پر ختم ہیں اور دوسرے یہ کہ ان کے بعد کوئی نئی شریعت

(چشمہ معرفت ص ۹)

لانے والا رسول نہیں۔

ہم صفحات گذشتہ میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ ہر نبی وحی کے ہمراہ آتا ہے

اور یہی وہی اس کی نہ بعثت اور کتاب ہوتی ہے :

”بلاشبہ جس کلام (الہام) کے ذریعہ سے یہ تمام تفصیلات ان (مسیح) کو معلوم ہوں گی وہ بوجہ وحی رسالت ہونے کے کتاب اللہ کہلاتی گی“

(ازالہ ج ۲ صفحہ ۵۷۹)

”خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام کھا جائے تو میں
جزو سے کم نہیں ہوگا“ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

”اب کے سالانہ جلسہ پر جناب میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان نے
کتاب کی اہمیت کو جتاتے ہوئے خود قادیان میں حضرت مسیح موعود کے الہامات
کو جمع کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی مریدوں کو اس کی تلاوت کے لیے بھی ارشاد
فرمایا“ (مضمون ڈاکٹر بشارت احمد لاہوری احمدی)

پیغام صلح ۱۱ جون ۱۹۲۲ء

”آپ جناب مرزا صاحب کی وحی بھی جدا جدا آیت ہے اور مجموعہ

الہامات الكتاب المبین ہے“

رسالہ احمدی از قاضی محمد یوسف ص ۲۳

المحمد لہ کہ آپ کا مرزا صاحب کا ایک لحاظ صاحب کتاب ہونا

(الفضل ۱۵ فروری ۱۹۱۹ء)

ثابت ہو گیا“

اور میں عیسیٰ مسیح کو ہرگز ان امور میں اپنے پر کوئی زیادت نہیں دیکھتا یعنی

جیسے اس پر خدا کا کلام نازل ہوا۔ ایسا ہی مجھ پر ہوا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۶)

اگر بالفرض نبوت کی دو قسمیں یعنی تشریعی وغیر تشریعی مان بھی لی جائیں تب بھی یہ حقیقت سب کے ہاں مسلمہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب و شریعت نبی تھے اگر جناب مرزا صاحب کے الہامات انجیل کے ہم پایہ تھے تو پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک چھوٹی سی کتاب یعنی انجیل کی بنا پر حضرت عیسیٰ کو تو صاحب کتاب و شریعت رسول تسلیم کیا جائے اور جناب مرزا صاحب کی وحی کو جو بیس اجزاء مشتمل ہے بظہر انداز کر دیا جائے بات یہ ہے کہ نبی وحی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا اور وحی اس کی شریعت ہوتی ہے انبیاء کو شرعی و غیر شرعی میں تشسیم گزار دست نہیں اس مسئلہ پر مرزا صاحب کا ارشاد ذیل لکھا فیصلہ کن ہے

ما سوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کیے اور اپنی امت کے لیے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا پس اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی مثلاً یہ الہام یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور ایسا ہی اب تک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(ان هذا الفی المصحف الاولی - مصحف ابراہیم و موسیٰ)

یعنی قرآنی تعلیم تو اُن میں بھی موجود ہے اور اگر کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفا

(مکمل طور پر) امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر تورات یا قرآن شریف میں باستیفا احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی غرض یہ سب خیالات فضول اور کوتاہ اندیشیاں ہیں ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن ربانی کتابوں کا خاتم ہے تاہم خدا تعالیٰ نے اپنے نفس پر حرام نہیں کیا کہ تجدید کے طور پر کسی اور مامور کے ذریعہ سے یہ احکام صادر کرے کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو، زنا نہ کرو، خون نہ کرو، اور ظاہر ہے کہ ایسا بیان کرنا بیان شریعت ہے جو مسیح موعود کا بھی کام ہے۔“
(الربعین ص ۷۷ ص ۸۰)

• سوم۔ اس الجھن کا ایک حل جماعت احمدیہ کے امام جناب میاں محمود احمد صاحب نے پیش فرمایا ہے اور وہ یہ

”۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ (مرزا صاحب) نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے اب منسوخ ہیں اور ان سے حجت پکڑنی غلط ہے“
(حقیقۃ النبوة ص ۱۲۱ از میاں محمود احمد صاحب)

میاں صاحب کا یہ فیصلہ کئی لحاظ سے محل نظر ہے۔
• اول۔ جناب مرزا صاحب آپ کے عقیدہ کے مطابق ملہم من اللہ اور رسول تھے وہ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے تھے ان کے الہامات خدائی تھے ملہم سے زیادہ الہامات کی حقیقت کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا ان کی تحریرات کو منسوخ کرنا ایک امتی کا کام نہیں ہو سکتا ایک تحصیلدار کو یہ اختیار کہاں حاصل کہ وہ گورنر کے احکام کو منسوخ کرتا پھرے :

• دوم :- جناب مرزا صاحب پر پہلی وحی ۱۸۶۵ء میں نازل ہوئی تھی (تفصیل کا انتظار فرمائیے) ۱۹۰۱ء تک پورے چھپتیس برس بنتے ہیں ایک رسول کے ثلث صدی کے الہامات کو بہ یک شش قلم منسوخ کر دینا ایک ایسا اقدام ہے جس کے لیے سند کی ضرورت ہے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف میں ایک لفظ تک ایسا نہیں ملتا جس سے اشارہ بھی یہ مترشح ہوتا ہو کہ جناب میاں صاحب کو ایک رسول کا کلام منسوخ کرنے کے اختیارات حاصل ہیں۔

• سوم :- جناب مرزا صاحب کا انتقال مئی ۱۹۰۸ء میں ہوا۔ ان پر پورے بیالیس سال تک وحی آتی رہی۔ اگر کوئی صاحب چونتیس برس کی وحی کو یہ کہہ کر مسترد کر دے کہ وہ آخری آٹھ برس کی وحی سے متصادم ہوتی ہے تو ایک غیر احمدی لازمًا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یا تو پہلی وحی غیر خدائی تھی یا آخری۔ اس لیے کہ خدا کی وحی میں تضاد و تضادم نہیں ہوا کرتا۔

• چہارم :- ہم صفحات گزشتہ میں ”دافع البلاء اور کشتی نوح“ کے چند اقتباسات درج کر چکے ہیں جن میں مرزا صاحب خاتمہ نبوت کے صریحاً قائل ہیں یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۲ء میں لکھی گئی تھیں اور اگر صرف ۱۹۰۱ء کی تحریرات منسوخ ہیں تو پھر ان اقتباسات کا تطابق آخری تحریرات سے کیسے ہوگا؟

• پنجم :- جناب مرزا صاحب کی اہم تصانیف (۲۷ میں جن میں سے اڑتالیس ۱۹۰۱ء سے پہلے کی ہیں اور چوبیس بعد کی) اگر ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تحریرات منسوخ کر دی جائیں تو مرزا صاحب کی دو تہائی تحریرات سے ہاتھ دھونا

پٹرے گا۔ اگر ایک رسوا کی دو تنہائی تحریرات کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے تو
 باقی ماندہ ایک تنہائی پر سے بھی اعتماد اٹھ جائے گا:

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

جماعت احمدیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب مسیح موعود بنتے اور آپ کا منکر کافر ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور خدا کے نشانوں کو رد کرتا ہے وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۸)

”کفر دو قسم پر ہے اول یہ کفر کہ ایک شخص اسلام ہی سے انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں“

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۷۹)

جناب میاں محمود احمد صاحب ایک قدم آگے بڑھ کر فرماتے ہیں:

”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں“

(اٰیٰتِ صِدَاقَت)

اس مفتوی پر جناب مرزا صاحب کا اپنا ارشاد ملاحظہ ہو :
 ڈاکٹر عبدالحکیم میرے پر یہ الزام لگاتا ہے کہ گویا میں نے اپنی کتاب میں
 یہ لکھا ہے کہ جو شخص میرے پر ایمان نہیں لائے گا گو یہ میرے نام سے بھی بے خبر
 ہوگا..... تب بھی وہ کافر ہو جائے گا..... یہ ڈاکٹر مذکورہ
 کا سراسر افتراء ہے..... یہ تو ایسا امر ہے کہ بیدار بہت اس کو کوئی عقل قبول نہیں
 کر سکتی۔
 (حقیقتہ الوحی)

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن نے کسی آنے والے مسیح کی خبر دی تھی اس کا
 جواب ہم دیں گے تو آپ اعتبار نہیں کریں گے خود جناب مرزا صاحب کی زبانی سنئے
 ”قرآن شریف میں مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کا تو کہیں بھی ذکر نہیں“
 (ایام صلح)

جس حالت میں قرآن شریف کھلے کھلے طور پر حضرت مسیح کے وفات
 پا جانے کا قائل ہے تو پھر..... کیونکر ان کا وہ جسم جو بموجب نص قرآنی
 کے زمین میں دفن ہو چکا ہے آسمان سے اترے گا۔
 (ازالہ ج ۱)

”قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارق زندگی اور دوبارہ آنے کا ذکر نہیں“

(آسمانی فیصلہ صفحہ ۵)

”ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدد کا یہ لفظ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں“

(شہادت القرآن صفحہ ۶۴)

جب کسی مجدد مسیح بن مریم یا مسیح موعود کے آنے کا ذکر قرآن میں موجود نہیں بعض احادیث میں صرف مسیح ابن مریم (مسیح موعود نہیں) کے نزول کا ذکر ملتا ہے تو کیا ایسے مسیح پر اگر وہ آ بھی جائے ایمان لانا ضروری ہے؟ اس کا جواب خود مرزا صاحب یوں دیتے ہیں:

”مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہمارے ایمانیات کی کوئی جزو یا ہمارے دین کے رکنوں میں سے کوئی رکن ہو۔ بلکہ صدائے پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کو حقیقت اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں“

(ازالہ رجحان صفحہ ۱۴۰)

”میرے دعوے کی انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا۔“

(تربیاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

”اگر مسٹر ڈوئی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گرواسپور کے ڈیوڈ میں نے اس

بات کا اقرار کیا ہے کہ میں مولوی محمد حسین بٹالوی (مرزا صاحب کا سب سے بڑا دشمن

اور منکر کو کافر نہیں کہوں گا۔ تو واقعی میرا یہی مذہب ہے کہ میں کسی مسلمان کو کافر

(تربیاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

نہیں جانتا۔“

ابتداء سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوے کے انکار کی وجہ سے کوئی

شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔“

(تربیاق القلوب صفحہ ۱۳۰)

”اب اگر میاں عبدالحق اپنے قصور فہم کی وجہ سے مجھے کاذب خیال کرتے ہیں لیکن میں انہیں کاذب نہیں کہتا بلکہ مخطی (خطا کار) جانتا ہوں۔“

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۶۳۷)

احادیث از بس ناقابل اعتماد ہیں۔ امام بخاری کے عہد میں ان کی تعداد چودہ لاکھ تھی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں مکررات کو چھوڑ کر صرف چار ہزار احادیث درج کیں اور سب کو مسترد کر دیا۔ اس ذخیرے میں بے شمار تضاد و ہام کی بہتات اور غلط سلسلہ باتوں کی بھرمار ہے۔ حضور پر جو کتاب نازل ہوئی، وہ قرآن تھا۔ حدیث نہیں تھی۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی حدیث کی بنا پر کوئی دعوے کرے تو وہ قابل توجہ نہیں:

”احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔“

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۵۲۱)

ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اول درجہ پر قطعی اور تقنی ہے قرآن کریم ہی ہے۔ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں اور ظن حق کے لیے کچھ بھی مفید نہیں۔

(ازالہ ج ۲، صفحہ ۶۵۴)

”خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو یہ پیش کرتے ہیں
تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں۔“
(اربعین ص ۳ صفحہ ۱۸)

”تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، بجز ان چند حدیثوں کے جو تہتر فرقوں
نے بوٹی بوٹی کر کے باہم تقسیم کر رکھی ہیں۔“
(اربعین ص ۴ صفحہ ۲۷)

قرآن میں کسی مسیح کے آنے کا ذکر نہیں حدیثوں کی حالت آپ کے
سامنے ہے، احمدی بھائیو! انصافاً کہو کہ اب اگر کوئی شخص کسی ظنی حدیث
کی بنیاد پر رسول بن کر آجائے تو کیا اس کا دعوے قابل قبول ہو سکتا ہے؟ قرآن
کی پوری ایک سو آیات ختم رسالت کا اعلان کر چکی ہیں پوری دوسو دس احادیث
تائید کے لیے موجود ہیں خود مرزا صاحب کے کئی سو اقوال مدعی نبوت کو کافرو کذاب قرار
دیتے ہیں ذرا سوچئے کہ ان حالات میں ہم کسی صاحب کو نبی تسلیم کریں تو کس بنیاد پر؟
پھر جس حدیث کی بنا پر جناب مرزا صاحب نے دعوے نبوت کیا ہے اس
میں مسیح موعود کے آنے کا ذکر نہیں، بلکہ مسیح بن مریم کے نزول کا ذکر ہے اگر آپ
کو یقین ہے کہ قرآن کی رد سے حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں تو لازماً اس حدیث
کو غلط قرار دینا ہو گا، ایسی غلط حدیث کو لے کر پہلے بصد تکلف مشیل مسیح بننا پھر مسیح
بن مریم ہونے کا اعلان کرنا اس کے بعد اپنے آپ کو مسیح موعود سمجھنا اور آخر میں ایک مستقل
رسول بن کر مسلمانوں کے سامنے آجانا کہاں تک جائز ہے، مرزا صاحب درست

فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں اور ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے۔

”جب قرآن مسیح ابن مریم کو مارتا ہے اور حدیثیں مثیل (حدیث میں مثیل کا لفظ کہیں موجود نہیں برق) ابن مریم کے آنے کا وعدہ کرتی ہیں تو اس صورت میں کیا اشکال باقی رہا۔“ (ازالہ رج ۲، صفحہ ۵۳۶)

مطلب یہ کہ میں حدیثوں کی رو سے مثیل مسیح بن کر آیا ہوں۔ اور جس حدیث میں مسیح بن مریم کے آنے کا ذکر ہے، اس سے مراد مثیل مسیح ہے اور ہر ایسی حدیث جو مسیح بن مریم کے آنے کی خبر دیتی ہے، وہ اول درجہ کی قابل اعتبار ہے؛ یہ کمال درجہ کی بد نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں..... یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اول درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے بالاتفاق قبول کر لیا ہے۔ (ازالہ رج ۲، صفحہ ۵۵۷)

اور یہ بھی ملاحظہ ہو:

اس زمانے کے بعض نادان کئی دفعہ شکست کھا کر پھر مجھ سے حدیثوں کی رو سے بحث کرنا چاہتے ہیں..... وہ اپنی چند ایسی حدیثوں کو چھوڑنا نہیں چاہتے جو محض ظنیات کا ذخیرہ اور مجروح و مخدوش ہیں..... خدا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو پیش کرتے ہیں، تحریف لفظی یا معنوی میں آلودہ ہیں۔ (ضمیمہ تحفہ گو لٹریہ صفحہ ۱۴)

علمائے اسلام جو احادیث جناب مرزا صاحب کے سامنے پیش کرتے تھے اُن تمام کا تعلق مسیح ابن مریم اور دجال وغیرہ سے تھا۔ ملاحظہ ہو۔ پیر صاحب گولڑہ کی ”سیفِ چشتیائی“ جن کی تردید میں ”تحفہ گولڑویہ“ لکھی گئی تھی۔ اس کتاب میں تمام وہی احادیث پیش کی گئی ہیں جن کا تعلق نزولِ مسیح سے ہے اگر یہ تمام احادیث محرف اور موضوع ہیں تو پھر انہی کی بنا پر آپ کا دعویٰ مسیحیت و نبوت کیوں کر جائز ٹھہرا؟

احمدی بھائیو! بات بالکل سیدھی سی ہے۔

قرآن میں کسی مسیح کی آمد کا ذکر موجود نہیں

احادیث موضوع و محرف ہیں۔

مرزا صاحب انہی احادیث کا سہارا لے کر مسیح موعود

درسول بنے ہیں۔

انصافاً کہو کہ کیا حدیث کی سند قابلِ اعتماد ہے؟ اگر نہیں تو پھر مرزا صاحب

کا دعویٰ رسالت کیونکر صحیح ہوا، اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے سمجھائیے اور اگر میری

دلیل میں کوئی وزن موجود ہے تو خود مان جائیے، ہمارا قبلہ ایک کتاب ایک تمدن

ایک فلسفہ ایک تہذیب ایک لباس ایک صورتِ شکل ایک سوچنے کا ڈھنگ ایک

روایات ایک اسلاف ایک سب کچھ تو پھر ہم ایک دوسرے سے الگ کیوں

کر رہیں؟

اب اور نہ ترساؤ

یا ہم کو بلا بھیجو یا آپ چلے آؤ۔

ایک اور الجھن

مسیح موعود اور مثیل مسیح میں بڑا فرق ہے۔ مسیح موعود سے مراد بعینہ وہ مسیح ہے جس کے آنے کی بشارات احادیث میں موجود ہے اور مثیل سے مراد ایسا شخص ہے جو مسیح موعود سے بعض صفات میں ملتا جلتا ہو۔

رستم ایک ہی تھا، لیکن رستم جیسے (مثیل رستم) پہلوان بہتیرے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مسیح موعود ایک معین شخصیت ہے جس کے مثیل بے شمار ہو سکتے ہیں۔ سارا ہندوستان حکیم اجمل خان کو مسیح الملک کہتا تھا۔ اس لیے کہ بیماروں کو شفا دینے میں انہیں حضرت مسیح کی طرح یدِ طولیٰ حاصل تھا جناب مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے :

”مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے اور جس پر اقرارِ بالغیبیوں کا کام ہے کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔“

(اشتہار ایک غلطی کا ازالہ۔ مندرجہ)

(تبلیغ رسالت ج۔ ۱۰)

”میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ

کی تمام کتابوں میں پیش گوئیاں ہیں۔“

(تحفہ گوٹرویہ صفحہ ۱۹۵)

چونکہ احادیث میں مسیح موعود کا لفظ موجود نہیں، بلکہ مسیح ابن مریم کا ہے

اس لیے مسیح ابن مریم بننے کے لیے اس راہ پہ چلتے ہیں:

”اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تفسیر سے حصے میں میرا نام مریم رکھا۔۔۔

..... میں نے دو برس تک یہ صفت مریمیت میں پرورش پائی، پھر۔۔۔

..... مریم کی طرح عیسے کی روح مجھ میں نفع کی گئی، اور استعارہ کے

رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا، اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ

نہیں، مجھے مریم سے عیسے بنایا گیا۔“ (کشتی نوح صفحہ ۴۶)

اور پھر فرماتے ہیں:

”سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے۔“

(ازالہ صفحہ ۶۵۹)

اور اس طرح جناب مرزا صاحب مکمل مسیح موعود بن گئے:

اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے

دعوے نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں۔

(ازالہ صفحہ ۶۸۳)

یہ تو تھا آپ کا دعوے، اب ذرا یہ اقتباسات بھی پڑھیے۔

”میں نے صرف مثیل مسیح ہونے کا دعوے کیا ہے اور میرا یہ دعوے

نہیں کہ صرف مثیل ہونا میرے پر ہی ختم ہو گیا ہے بلکہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں

میں میرے جیسے دس ہزار مثیل مسیح آجائیں۔“

(ازالہ صفحہ ۱۹۹)

مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعوے نہیں..... بلکہ مجھے تو فقط

مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے۔“

(اشترہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج. ۲. صفحہ ۲۱)

”یہ بات سچ ہے کہ اللہ جل شانہ کی وحی اور الہام سے میں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے..... میں اسی الہام کی بنیاد پر اپنے تئیں وہ موعود مثیل (مسیح موعود نہیں بلکہ مثیل موعود) سمجھتا ہوں جس کو دوسرے لوگ غلط فہمی سے مسیح موعود کہتے ہیں۔“

”ایک غلطی کا ازالہ“ والا اقتباس پھر پڑھئے۔

”مجھے اس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے..... کہ اس نے مسیح موعود بنا کر مجھے بھیجا ہے۔“

اقتباس ذیل کے ہر ہر لفظ پر غور فرمائیے :

اس عاجز نے جو مثیل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں..... میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں جو شخص یہ الزام مجھ پر لگا دے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہو رہا ہے کہ میں مثیل مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی لکھے ہیں۔ (ازالہ ج. اول صفحہ ۱۹)

اور لطف یہ کہ اسی کتاب (ازالہ) میں چند صفحات پہلے فرماتے ہیں۔ اب جو امر کہ خدا تعالیٰ نے میرے پر منکشف کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسیح

موعود میں ہی ہوں۔

(ازالہ جلد اول طبع دوم صفحہ ۱۷)

اور جلد دوم میں اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے کے لیے ایک سو اکانوے صفحات وقف فرماتے ہیں اور اساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے کہ میرے دعوے کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔ فرمائیے ہم ان بیانات سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟

دلچسپ جواب

جناب مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھ چکے تھے کہ حضرت مسیح بن مریم زندہ ہیں اور وہ آخری زمانے میں آسمان سے نازل ہوں گے پھر ازالہ اوہام میں عیسیٰ کی وفات پر تیس دلائل پیش کیے جب کسی نے اس تضاد پہ اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں لکھا:

مگر خدا نے میری نظر کو بھر دیا۔ میں براہین کی وحی کو نہ سمجھ سکا کہ وہ مجھے مسیح موعود بناتی ہے۔ یہ میری سادگی تھی جو میری سچائی پر ایک عظیم الشان دلیل تھی۔ ورنہ میرے مخالف مجھے بتلا دیں کہ میں نے باوجودیکہ براہین احمدیہ میں مسیح موعود بنایا گیا تھا۔ بارہ برس تک یہ دعویٰ کیوں نہ کیا اور کیوں براہین میں خدا کی وحی کے مخالف لکھ دیا۔

(اعجاز احمدی صفحہ ۷۷)

یعنی تضاد تو پیدا ہوا جناب مرزا صاحب کے کلام میں، اور اس کا جواب دیں
آپ کے مخالفین کیا دلچسپ منطق ہے، اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص
بارہ برس تک دو دو کو چار کہتا رہے اور تیرھویں سال دو دو کو اٹھارہ
بنادے اور جب کوئی اعتراض کرے تو وہ کہے کہ اس بوالعجبی کا جواب تمہارے
ذمہ ہے۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو وحی ہر روز آپ پر بارش کی طرح برستی
تھی، اس نے پورے بارہ برس تک آپ کو یہ کیوں نہ سمجھایا کہ آپ کی فلاں
بات خلاف حقیقت ہے کیا اللہ تعالیٰ کی دانش و حکمت کا تقاضا یہی تھا
کہ اس کا ایک جلیل القدر رسول بارہ برس تک خلاف حقیقت لکھتا اور کہتا
رہے اور خدا عرش پر خاموش بیٹھا رہے؟

بہر حال اس عقیدہ کو حل کرنے کی ذمہ داری مخالفین پر نہیں، بلکہ خود صاحب
الہام پر عائد ہوتی ہے۔ ”اعجاز احمدی“ ۱۹۰۲ء کی تصنیف ہے اور پورے
دو برس پہلے وہ اس مشکل کو حل فرما چکے تھے، فرماتے ہیں:

”میرے دعوے مسیح موعود کی بنیاد انہی الہامات (براہین احمدیہ والے)
سے پڑی، انہیں میں میرا نام خدا نے عیسیٰ رکھا اور جو آیتیں مسیح موعود کے
حق میں تھیں، وہ میرے حق میں بیان کر دیں، اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات
سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے، تو وہ کبھی ان کو قبول نہ کرتے، یہ
خدائی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور اس پیچ میں پھنس گئے۔“

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۲۱)

یہ جواب صحیح معلوم ہوتا ہے، ورنہ یہ بات ناقابل تسلیم ہے کہ ایک
رسول پر ایک وحی نازل ہو، جبریل ہر روز مسلسل آتا رہے اور رسول کو بارہ
برس تک اس وحی کا مطلب ہی معلوم نہ ہو سکے، ہر رسول کا یہ فرض مضبوطی
ہوتا ہے کہ وہ اپنی وحی کی تبلیغ کرے:

يَبْلُغُ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۖ

(ہمارے پیغام کی تبلیغ کرو)

لیکن اگر کسی رسول کو بارہ برس تک اس پیغام کا مفہوم ہی معلوم نہ
ہو سکے تو وہ تبلیغ کیا کرے گا، رسالت کی طویل تاریخ میں یہ آج تک نہیں ہوا
اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ ایک رسول بارہ برس تک اپنے الہام کو نہ سمجھے۔
حامل الوحی (جبریل) مسلسل آتا رہے اور سمجھائے بغیر واپس جاتا رہے وہ رسول خدا
الہامِ فشا کے خلاف پیہم بکھتا رہے اور اللہ تعالیٰ چپ چاپ تماشا دیکھتا رہے اس
صورت حال کو عقل قبول نہیں کر سکتی:

رکھا۔

(دافع البلاء صفحہ ۱۳)

یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔

(کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵)

پھر تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا انجیر کے درخت کو بغیر پھل کے دیکھ کر اس پر بددعا کی اور دوسروں کو دعا کرنا سکھایا اور دوسروں کو یہ بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو مگر خود اس قدر بدزبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام کہہ دیا۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۹)

اس جگہ حضرت مسیح کی تہذیب اور اخلاق پر ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ہے کہ فقیہوں اور فریسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت مسیح نے نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کیے۔

(ازالہ طبع دوم حاشیہ صفحہ ۴۵)

یہ بات قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت مسیح بن مریم باذن

و حکم الہی ایسے نبی کی طرح اس عمل الترب (مسمر نیم شعبدہ بازی) میں کمال رکھتے
تھے..... اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابل نفرت نہ سمجھا
..... تو حضرت مسیح سے کم نہ رہتا۔
(ازالہ طبع دوم صفحہ ۱۲۷ حاشیہ)

واضح ہو کہ اس عمل جسمانی (مسمر نیم) کا ایک نہایت برا خاصہ یہ ہے
کہ جو شخص اپنے تئیں اس مشغول^۱ میں ڈالے..... وہ..... روحانی
تأثیروں..... میں بہت ضعیف اور کمزور جاتا ہے.....
..... یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح..... ہدایت اور توحید
..... کے بارے میں ان کی کارروائیوں کا نمبر ایسا کم درجہ کا
رہا کہ قریب قریب ناکام کے رہے۔
(ازالہ طبع دوم صفحہ ۱۲۸)

اس در ماندہ انسان (مسیح علیہ السلام) کی پیشگوئیاں کیا تھیں صرف یہی کہ
زلزلے آئیں گے قحط پڑیں گے لڑائیاں ہوں گی پس ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں
نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پہ دلیل ٹھہرائیں اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنا لیا کیا
ہمیشہ زلزلے نہیں آتے کیا ہمیشہ قحط نہیں پڑتے کیا کہیں نہ کہیں لڑائی کا سلسلہ

۱۔ کتاب میں یہی لفظ ہے۔ ۲۔ نقل مطابق اصل ہے۔
۳۔ اقتباس میں نقطوں کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھیں)

شروع نہیں رہتا پس ان نادان اسرائیلیوں نے ان معمولی باتوں کا پیشگوئی کیوں
نام رکھا۔
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴)

قارئین اس حقیقت سے یقیناً آگاہ ہوں گے کہ جناب مرزا صاحب نے
پنجاب میں طاعون اور کئی زہریلوں کی پیشگوئیاں کی تھیں خیر اس قصے کو جانے دیجئے
اور حضرت مسیح علیہ السلام کے اخلاق و خواص کی تفصیل سنئے۔
بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہے کیونکہ قرآن نے اس کو
نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل اس کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت
پہ کئی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کی فہرست میں
لکھ دیا۔
(اعجاز احمدی صفحہ ۱۳)

”آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی الٹ عادت تھی
آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔“
(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

جس حالت میں برسات کے دنوں میں ہزار ہا کیڑے مکوڑے خود بخود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بعض حصے حذف کر کے عبارت کو حسب منشا ڈھال لیا
ہے، حاشا و کلا۔ بددیانتی کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بعض زائد الفاظ کو جو بعض
اختصار حذف کر دیا گیا ہے۔
(برقی)

پیدا ہو جاتے ہیں عیسیٰ کی اس (معجزانہ) پیدائش سے کوئی
بزرگی ان کی ثابت نہیں ہوتی۔

(چشمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

”مردی اور رجولیت انسان کے صفحاتِ محمودہ میں سے ہے پتھر ہونا
کوئی صفت نہیں حضرت مسیح مردانہ صفت (رجولیت) کی اعلیٰ
ترین صفت سے محروم ہونے کے باعث ازدواج سے سچی اور کامل حُسنِ معاشرت
کا کوئی عملی نمونہ نہ دے سکے۔“

(مکتوب احمدیہ جلد سوم صفحہ ۲۸)

حق بات یہ ہے کہ آپ (عیسیٰ علیہ السلام) سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا
اور اس دن سے کہ آپ نے معجزہ مانگنے والوں کو گندی گالیاں دیں اور ان کو
حرام کار اور حرام کی اولاد ٹھہرایا اسی روز سے شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا۔
(ضمیمہ انجامِ آتھم صفحہ ۶)

”آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مُطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ
کی زناکارہ اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔“
(ضمیمہ انجامِ آتھم صفحہ ۷)

اور یہ بھی ملاحظہ فرمائیے :

اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح بن مریم کی

عزت نہیں کرتا۔ بلکہ مسیح تو مسیح ہیں تو اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔
(رکشتی نوح، صفحہ ۱۶)

”خبریت ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راست بازوں پہ زبان درازی کرتا ہے، میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی شخص حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راست باز پر بد زبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔“
(ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

حضرت مسیح کے متعلق اس تلخ زبانی کی ایک وجہ جناب مرزا صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ میرا روئے سخن قرآن والے عیسیٰ کی طرف نہیں بلکہ انجیل والے یسوع کی طرف ہے بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ آخر قرآن میں بھی تو انجیل والے مسیح یا عیسیٰ کا ذکر ہے۔

وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ (قرآن)

(ہم نے حضرت مسیح کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی ہے)

یہ دونوں الگ الگ کیسے ہوئے کیا انجیل میں کہیں لکھا ہے کہ مسیح شراب پیتے جھوٹ بولتے۔ مدار یوں کے کھیل دکھاتے اور فاحشہ عورتوں کی نسل سے تھے کہیں نہیں تو پھر آپ نے حضرت مسیح کی یہ انوکھی سیرت کہاں سے حاصل کی ہے جب قرآن و انجیل ہر دو میں حضرت مسیح کی نہایت بلند مطہر اور مقدس تصویر ملتی ہے تو پھر انجیل والے مسیح کو شرابی اور جھوٹا کہنا کیا معنی؟ قرآن کا عیسیٰ انجیل کے یسوع سے کوئی

الگ بستی نہیں تھا:

ایک دو ماہ بعد مریم کو بیٹا پیدا ہوا۔ وہی عیسیٰ یا یسوع کے نام سے منسوب ہوا۔

(حیثمہ مسیحی صفحہ ۱۸)

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر فرمایا:

”آپ حضور علیہ السلام کا نام احمد تھا یعنی خدا کا سچا پرستار اور اس کے فضل و رحم کا شکر گزار اور یہ نام اپنی حقیقت کے رُو سے یسوع کا مترادف ہے۔

(تحفہ گوئیہ صفحہ ۱۵۹)

جناب مرزا صاحب اپنے تمام دور نبوت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف لکھتے رہے لیکن کبھی کبھی یہ بھی فرماتے رہے کہ میرا رُوئے سخن انجیل والے عیسیٰ کی طرف ہے آخر ۱۹۰۵ء میں اس راز سے یوں پردہ اٹھایا:

”ہماری قلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو کچھ خلاف شان ان کے نکلا ہے وہ الزامی جواب کے رنگ میں ہے اور وہ دراصل یہودیوں کے الفاظ ہم نے نقل کئے ہیں۔“

(مقدمہ حیثمہ مسیحی حاشیہ صفحہ ۱۸)

لیکن جناب مرزا صاحب فراموش کر گئے کہ یہودیوں کے ہاں حضرت مسیح علیہ السلام گردن زدنی تھے اور ہمارے ہاں وہ ایک اولوالعزم رسول ہیں کیا ایک مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ وہ یہودیوں کا ہم آہنگ ہو کر ایک جلیل المرتبت پیغمبر کے خلاف زبان کھولے یہودی تو ہمارے حضور پر نور کو بھی گالیاں دیتے ہیں کیا ہم اس معاملے میں بھی ان کی تقلید کریں؟

جس طرح یہود محض تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پہ حملے کرتے ہیں
اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن شریف اور آنحضرت صلیعہ علیہ السلام پہ کرتے ہیں عیسائیوں کو
مناسب نہ تھا کہ اس طریق بد میں یہودیوں کی پیروی کرتے۔

(مقدمہ چشمہ مسیحی صفحہ ب)

اگر عیسائیوں کے لیے یہود کے ”طریق بد“ کی پیروی نامناسب تھی تو جناب مرزا
صاحب کے لیے اسی پیروی کا جواز کہاں سے نکل آیا؟
ہاں تو ہم مرزا صاحب کی تحریرات کی روشنی میں حضرت مسیح کے اخلاق و خواص
کا جائزہ لے رہے تھے، اقتباسات بالا کا ملخص یہ نکلا۔

- ۱۔ کہ حضرت مسیح کا علم مرزا صاحب سے کم تھا۔
- ۲۔ کہ خدائی تائید مرزا صاحب کے ساتھ زیادہ تھی۔
- ۳۔ کہ مرزا صاحب ”اپنی تمام شان میں حضرت مسیح سے بہت بڑھ کر“ تھے۔
- ۴۔ کہ مسیح علیہ السلام شرابی تھے۔
- ۵۔ کہ وہ بد زبان تھے۔
- ۶۔ کہ وہ نہایت غیر مہذب الفاظ استعمال کرتے تھے۔
- ۷۔ کہ وہ مسمرنیزم جیسے مکر وہ اور قابل نفرت عمل میں کمال رکھتے تھے۔
- ۸۔ کہ وہ ”روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمے اور قریب قریب ناکام“ تھے۔
- ۹۔ کہ اس ”درماندہ انسان“ کی پیشگوئیاں بے معنی تھیں۔
- ۱۰۔ کہ اس کی نبوت کے ابطال پر کئی دلائل قائم تھے۔
- ۱۱۔ کہ آپ کو کسی قدر جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی۔

۱۲۔ کہ اُن کی معجزانہ پیدائش ایسی ہی تھی جیسے برسات میں کٹرے پیدا ہو جائیں۔

۱۳۔ کہ وہ رجولیت سے محروم تھے اور بچہ ہونا کوئی صفت نہیں۔
 ۱۴۔ کہ گندمی گالیوں کی وجہ سے ”شریفوں نے آپ سے کنارہ کر لیا تھا“
 ۱۵۔ کہ آپ کی تین دادیاں اور نانیاں زناکارہ تھیں۔
 حضرت مسیح علیہ السلام کی اس ”سیرت“ کو پیش نظر رکھ کر حضرت
 مرزا صاحب کا یہ ارشاد بغور مطالعہ فرمائیے۔

میں مثیلے مسیح ہوں۔ یعقوب حضرت مسیح کے بغض
 درحانے خواص طبع اور عادات اور اخلاق وغیرہ کے خدائے
 نے میری فطرت میں بھی رکھے ہیں۔

(ازالہ صفحہ ۱۹)

تاریخ بعثت

حضور علیہ السلام کی تاریخ بعثت سب کو معلوم ہے کہ ۶۱۰ء میں
حضرت جبریل علیہ السلام بالکل پہلی مرتبہ غار حرا میں آئے تھے اور حضور سے کہا تھا۔
اقراء۔ یا سِحْرَ قَدِیْكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ
اقراء۔ وَرَبِّكَ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

اے محمد پڑھ۔ اور اس اللہ کا نام لے کر پڑھ جس نے انسان کو
ارتقائی منازل میں، چونک سے پیدا کیا، اس عظیم رب کا نام لے کر پڑھ جس
نے قلم کو علم دیا۔

لیکن جناب مرزا صاحب کی تاریخ وحی کو کسی بے یہ معلوم کرنا کارے وارد
مرزا صاحب کی علمی تصانیف بہتر ہیں جن میں سے ہر کتاب آپ کے نشانات دلائل
نبوت، زمانہ رسالت اور الہامات سے لبریز ہے اور تقریباً ہر کتاب میں کئی کئی
مرتبہ آپ نے اپنے دعوائے رسالت کی تاریخ بیان کی ہے ہم باقی کتابوں کو
چھوڑتے ہیں اور صرف دس کتابیں کھول کر آپ کی تاریخ رسالت معلوم کرنا
چاہتے ہیں ہم اوراق گزشتہ میں واضح کر چکے ہیں کہ جناب مرزا صاحب کی وحی
قرآن و تورات کی ہمپا یہ تھی۔ اس سلسلے کا پیغام کب نازل ہوا اقتباسات

ذیل کو دیکھیے۔

۱۔ براہین احمدیہ۔ سال تصنیف ۸۲ھ - ۱۸۸۰ء

اس کتاب میں ایک مقام پر ۱۸۶۹ء کا ایک الہام درج کرتے ہیں جسے وہ آخر تک اپنی دیگر تصانیف میں دہراتے چلے جاتے ہیں، اور وہ یہ ہے۔

وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

(حاشیہ در حاشیہ ۳، براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۱)

۲۔ ازالہ اوہام۔ تاریخ تصنیف ۲۔ ستمبر ۱۸۹۱ء

”وہ آدم اور ابن مریم ہی عاجز ہے اور اس عاجز کا یہ دعوائے دس برس سے شائع ہو رہا ہے۔“

(ازالہ صفحہ ۶۹۵)

ازالہ ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اس سے دس برس کم کیجئے، باقی ۱۸۸۱ء

۳۔ نشان آسمانی۔ تاریخ تصنیف جون ۱۸۹۲ء

یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لیے بالہام خاص مامور کیا گیا، اور بشارت دی گئی کہ اسٹی برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے

سوا اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے
دس برس کامل گزر بھی گئے ہیں۔

(نشان آسمانی صفحہ ۱۵)

۱۸۹۲ء میں سے دس کم کیجئے باقی ۱۸۸۲ء۔

۴۔ شہادت القرآن نومبر ۱۸۹۳ء کی تصنیف ہے۔

”مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پہ ظہور کیا۔“

(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۸)

یہ نہیں کیا کہ ”تیرھویں صدی کے آخر“ میں بلکہ ”چودھویں صدی کے

سر“ یعنی آغاز میں ظہور کیا۔ اگر آغاز سے مراد ۱۳۰۰ھ لی جائے تو یہ مساوی

ہوتی ہے ۱۸۸۳ء عیسوی کے۔

۵۔ تریاق القلوب تاریخ تصنیف ۲۰ دسمبر ۱۸۹۹ء

”تیرھویں صدی کے ختم ہونے پر یہ محبت د آیا۔“

(تریاق القلوب صفحہ ۳۰)

یہ بالکل اقتباس بالا کی تائید ہے۔

۶۔ اربعین جون ۱۹۰۰ء کی تصنیف ہے۔

یہ دعوت منجانب اللہ ہوتا اور مکالمات الہیہ کا تقریباً تیس برس ہے

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۷)

۱۹۰۰ء سے تیس گھنٹے باقی ۱۸۷۶ء۔

میرے وحی اللہ پائے لے دن سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کے دونوں سے برابر کیے۔

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۵۶)

حضور علیہ السلام کے ایام وحی تقریباً ۲۲ شمسی سال تھے ۱۹۰۰ء
سے بائیس کم کر دو رہا ۱۸۷۸ء
”تیری عمر اسی برس کی ہوگی..... اور یہ الہام
قریباً پینتیس برس سے ہو چکا ہے۔“

(اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۶)

اس اقتباس کے رُود سے پہلا الہام آپ سے ۱۸۴۵ء میں نازل ہوا
تھا۔ اس لیے کہ اربعین ۱۹۰۱ء کی تصنیف ہے۔

۱۔ تحفہ گولڈیہ ۱۹۰۱ء (اول) کی تصنیف ہے۔

”میرے دعوے کے وقت رمضان کے مہینے میں اسی صدی یعنی
چودھویں صدی ۱۳۱۱ھ میں خسوف کسوف ہو گیا۔“

(تحفہ گولڈیہ صفحہ ۴۲)

اس اقتباس میں ”دعوے کا وقت“ ۱۳۱۱ھ بتایا گیا ہے۔ جو

۱۸۹۴ء عیسوی کے مطابق ہے :

دُنیاں نبی بتاتا ہے کہ اسی نبی آخر الزمان کے ظہور سے جب بارہ سولہ
برس گزر جائیں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا اور ۱۳۳۵ھ ہجری تک اپنا کام

چلائے گا۔

(حاشیہ تحفہ گوٹروہ صفحہ ۱۹۱)

حضور علیہ السلام کی ولادت ۵۷۰ھ ظہور (بعثت) ۶۱۰ھ اور رحلت ۶۳۲ھ میں ہوئی تھی۔ سال ظہور یعنی ۶۱۰ھ میں اگر ۱۲۹۰ برس اور جمع کر دیئے جائیں تو یہ ۱۹۰۰ھ بنتا ہے۔ کیا مرزا صاحب ۱۹۰۰ھ میں مبعوث ہوئے تھے؟ اگر ظہور سے مراد ولادت لی جائے تو تاریخ بعثت ۵۷۰ جمع ۱۲۹۰ مطابق ۱۸۶۰ھ بنتی ہے۔

اور آخری فقرہ بھی قابل غور ہے ”اور ۱۳۳۵ھ تک اپنا کام چلائے گا۔“ لیکن مرزا صاحب کا انتقال ۱۳۲۶ھ میں ہو گیا تھا۔

۸۰۔ ضخیمہ تحفہ گوٹروہ اگست ۱۹۰۲ھ کی تصنیف ہے۔

”یہ دعوے متجانب اللہ ہونے اور مکالمات الہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے۔“

(ضخیمہ تحفہ گوٹروہ صفحہ ۶)

۱۹۰۲ھ سے تیس برس کم کیجئے۔ باقی ۱۷۰ھ

تیری عمر اسی برس ہوگی۔ اور یہ الہام قریباً پینتیس برس

یعنی ۱۸۷۷ھ میں

سے ہو چکا ہے۔

(ضخیمہ تحفہ گوٹروہ صفحہ ۶۹)

۹۰۔ تحقیقۃ الوحی ۱۹۰۶ھ میں شروع ہو کر ۱۵ مئی ۱۹۰۷ھ کو

ختم ہوئی۔

ٹھیک بارہ سو نوے (۱۲۹۰ھ) میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز

شرف مکالمہ و مخاطبہ پاچکا تھا۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

۱۲۹۰ء مطابق ۱۸۷۲ء۔

پیغام صلح جناب مرزا صاحب کی آخری تصنیف ہے جو رحلت (۲۶)

مئی ۱۹۰۸ء سے صرف دو روز پہلے لکھی گئی تھی۔

”میں تقریباً تیس برس سے خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں۔“

۱۹۰۸ء سے تیس کم کیے جائیں تو باقی ۱۸۷۸ء رہتا ہے۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ تحفہ گوٹرویہ کے مطابق تاریخ بعثت ۱۸۶۰ء یا ۱۹۰۰ء بنتی ہے۔

۲۔ اربعین کے مطابق تاریخ بعثت ۱۸۶۵ء بنتی ہے۔

۳۔ ضمیمہ تحفہ گوٹرویہ ۱۸۶۷ء

۴۔ براہین ۱۸۶۹ء

۵۔ تریاق القلوب ۱۸۷۰ء

۶۔ ضمیمہ تحفہ گوٹرویہ ۱۸۷۲ء

۷۔ حقیقۃ الوحی ۱۸۷۳ء

۸۔ پیغام صلح ۱۸۷۸ء

۹۔ نشات آسمانی ۱۱۲ء

۱۰۔ شہادۃ القرآن ۱۸۸۳ء

۱۱۔ تحفہ گوٹرویہ ۱۹۰۸ء

احمدی بھائیو! آپ ہی فرمائیں کہ ہم جناب مرزا صاحب کے کس
 قول کو مانیں، یہ گیارہ اقوال ہیں، ان میں سے جس ایک پر ایمان لائیں، باقی
 دس کی تکذیب ہوتی ہے۔

تکذیبِ حق

دلائل بر نبوت

- جناب مرزا صاحب نے اپنی نبوت پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کی ہیں۔
- • اول آیت خاتم النبیین جس پر بحث ہو چکی ہے۔
 - دوم آیت اولئک مع الذین انعم
 - سوم آیت ولو تقول علینا
 - چہارم آیت کما ارسلنا الی فروعون دسولاً

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسول کے پرو
أُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من

النبیین والصدیقین والشهداء والصالحین
 ان لوگوں کی رفاقت میں ہوں گے جن پر اللہ کے انعامات نازل ہونے
 مثلاً انبیاء، اصدقا، شہداء اور صلحا

جس طرح دنیا میں بے شمار مقامات، مناصب اور کرامات موجود ہیں
 اسی طرح آخروی زندگی میں بھی زندگی کے مدارج ہوں گے۔ یہ ناقابل یقین ہے
 کہ وہاں امام غزالی اور پھتوکمہار کا درجہ حیات ایک ہو۔ اگر پھتوکمہار خدا اور رسول

کا کامل پیرو ہے تو اسے منعم علیہم کی رفاقت نصیب ہو سکتی ہے لیکن ان کی شان نہیں مل سکتی۔ ملکہ انگلستان (الزبد) بکنگھم پریس میں رہتی ہے جہاں کئی سولہ لاکھوں کو اس کی رفاقت کا فخر حاصل ہے کوئی کھانا پکا رہا ہے۔ کوئی بچوں کو بہلا رہا ہے کوئی موٹر چلا رہا ہے کوئی صفائی پر متعین ہے کوئی فرض حفاظت سرانجام دے رہا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کی شان ملکیت میں شریک نہیں۔

اس آیت سے جو استدلال جناب مرزا صاحب نے قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب خدا اور رسول کے پیرو اس زندگی میں صدیق شہید اور صالح بن سکتے ہیں تو وہ نبی بھی ہو سکتے ہیں۔ اس استدلال کے متعلق عرض ہے کہ :-

آیت میں مع (ساتھ، رفاقت، ہمراہ ہونا) کا لفظ ہے یعنی وہ لوگ انبیاء کی رفاقت میں ہوں گے۔ نہ کہ خود نبی بن جائیں گے۔ گورنر کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ساتھی بھی گورنر ہیں۔ انگلستان کے آئین کے مطابق بادشاہ کا صرف بڑا اثر کا یا اثر کی دلی عہد ہوا کرتی ہے لیکن اس کی رفاقت کا فخر ایک دن میں کئی سولہ لاکھوں، افسروں اور ملاقاتیوں کو نصیب ہوتا ہے جن میں سے کسی ایک کے بھی بادشاہ بننے کا امکان نہیں اس لیے کہ آئین مانع ہے۔ اسی طرح انبیاء کی رفاقت کی عزت لاکھوں انسانوں کو حاصل ہو سکتی ہے لیکن حضور علیہ السلام کے بعد کوئی فرد نبی نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ آئین قرآن مانع ہے۔

جناب مرزا صاحب نے آیہ زیر بحث کو ہر جگہ نامکمل لکھا ہے یا کم از کم میری نظر سے جس قدر کتابیں گزری ہیں ان میں یہ آیت نامکمل لکھی ہوئی تھی اور آخری حصہ کہیں بھی مذکور نہیں تھا اور وہ یہ ہے :-

(دحسن اولئد رفیقاً)

(اور یہ لوگ انبیاء وغیرہ) کتنے عمدہ رفیق ہیں)

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے لفظ مع کی کتنی عمدہ تفسیر پیش کی ہے اب اس آخری ٹکڑے کو ساری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیے:

خدا اور رسول کے پیرو منعم علیہ گروہ یعنی انبیاء، اصدقا، شہداء اور صلحا کے ساتھ ہوں گے۔ اور یہ کتنی اچھی رفاقت ہے۔

بے کوئی پیچیدگی اس تفسیر میں؟ اور بے کوئی امکان اس آیت میں نبی بننے کا؟ اگر ہم سیدھی سی بات کو موڑنا اور کھینچنا شروع کر دیں تو رسول کو خدا اور خدا کو عبد بنا سکتے ہیں مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں خدا رسول سے کہہ رہا ہے۔

ایا ک نعبد (اے رسول ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کیا سورہ فاتحہ میں کوئی ایسی رکاوٹ موجود ہے جو ہمیں اس تفسیر سے روک سکے؟ تاویل وہ حربہ ہے جس سے ہم خود خدا بن سکتے ہیں۔ کیسے؟ منصور سے پوچھو ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود کا مطالعہ کرو، بدھ کے نروان اور آریوں کے ویدانت کو دیکھو۔ اگر ان قدیم نظریوں پر کوئی کتاب نہ مل سکے تو کسی پادری کے پاس جاؤ۔ وہ باپ بیٹے اور روح القدس کی خدائی پہ وہ وہ دلائل دے گا کہ آپ سرپیٹ کر رہ جائیں گے تاویل کے زور سے آپ ایک فاسق کو جنتی اور ولی کو جہنمی بنا سکتے ہیں تاویل وہ آگ ہے جو دبر و حرم سب کو، بیونکہ سلکتی ہے اس لیے تاویل کو تو رکھیے ایک طرف اور ایک سادہ لوح صاحبِ عمل یا

ایک دیانت دار محقق کی طرح آیہ بالا پہ نظر ڈالیے اور انصافاً کہیے کہ کیا اس آیت میں کہیں کوئی نئی بننے کا نسخہ موجود ہے؟ نہیں اور قطعاً نہیں۔

جناب مرزا صاحب پورے بیس برس تک اس آیت سے استدلال فرماتے رہے اس استدلال کو ہر تصنیف میں بار بار دہراتے رہے اور لطف یہ کہ آپ کے مخالفین یعنی مولوی محمد حسین ثبائی مولانا ثناء اللہ امرت سری مولوی عبدالحق غزنوی و دیگر سیکڑوں علما میں سے کوئی ایک بھی اس استدلال کا جواب نہ دے سکا۔
پہلے آیت ملاحظہ کیجئے۔

انه لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ
ذُو مَاهُو بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا
تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذْكُرُونَ
تَنْزِيلٍ مِّن رَّبِّ
الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ
الْأَقَاوِيلِ - لَا خُذْنَا مِنْهُ
بِالْيَمِينِ - ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝

یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے شاعر کا قول نہیں تم کیوں نہیں مانتے نہ کسی کا بہن کا قول ہے پھر کیوں درس ہدایت نہیں لیتے اس کے امارتے کا سامان اللہ نے کیا اگر یہ رسول کریم ہماری طرف غلط باتیں منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالیں

اس آیہ سے جناب مرزا صاحب نے مندرجہ ذیل استدلال قائم کیا
خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افترا کرے اس

سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں، اور میں جلد مغتری کو پکڑتا ہوں، اور اس کو مہلت نہیں دیتا لیکن اس عاجز کے دعوائے مجدد و مثیل مسیح ہونے اور دعوائے ہم کلام الہی ہونے پر اب بفضلہ تعالیٰ گیارہواں برس جاتا ہے کیا یہ نشان نہیں ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ کاروبار نہ ہوتا تو کیونکر عشرہ کاملہ تک جو ایک حصہ عمر کا ہے ٹھہر سکتا تھا۔

(نشان آسمانی صفحہ ۴۳)

”پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ظالم مغتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دے دی جسے آج تک بارہ برس گزر چکے ہوں، اور مغتری ایسا اپنے افترا میں بے باک ہو۔“

(شہادت القرآن صفحہ ۷۶)

”خدا تعالیٰ کی تمام پاک کتابیں اس بات پر متفق ہیں کہ جھوٹا نبی ہلاک کیا جاتا ہے۔“

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴)

”خدا تعالیٰ مغتری علی السد کو ہرگز سلامت نہیں چھوڑتا اور اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے اور ہلاک کرتا ہے۔“

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۴)

خدا تعالیٰ قہ آن شہیف میں بار بار فرماتا ہے کہ مغتری اسی دنیا میں ہلاک ہوگا، بلکہ خدا کے سچے بیوں اور مامورین کے لیے سب سے بڑی یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے کام کی تکمیل کر کے مرتے ہیں، اور ان کو اشاعت دین کی مہلت

دی جاتی ہے۔ اور انسان کی اس مختصر زندگی میں بڑی سے بڑی مہلت تیس برس ہے۔
(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۵)

پھر تورات میں یہ عبارت ہے..... اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف فرمادیا کہ افترا کی سزا خدا کے نزدیک قتل ہے۔
(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۹)

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہے کہ ہر جھوٹا نبی (مفتری) ہلاک کر دیا جاتا ہے چونکہ میں دعوائے نبوت کے بعد اتنے برس سے زندہ ہوں اس لیے میں سچا رسول ہوں، اس استدلال کے سلسلے میں جناب مرزا صاحب نے مخالف علماء کو بار بار چیلنج دیا کہ اگر اسلام کی طویل تاریخ میں کوئی جھوٹا نبی ہلاک نہ ہوا ہو تو اس کا نام بتاؤ۔ لیکن کوئی عالم گزشتہ ستر برس میں ایک مثال بھی پیش نہ کر سکا۔
ہم اس استدلال کے سلسلے میں صرف دو معروضات پیش کرتے ہیں۔

مسلمان ہر زمانے میں ختم نبوت کے قائل اور مدعی نبوت کو واجب القتل
اول سمجھتے رہے ہیں، ایشیائے صغیر، عراق، ایران، شام، مصر، یونان، افغانستان

اور بخارا میں صدیوں سے اسلامی حکومت قائم ہے جہاں کسی مدعی نبوت نے مگر اٹھایا فوراً یا تو میلہ و مقنع کی طرح قتل ہو گیا، اور یا المہنتی کی طرح تائب ہو گیا، فرمایئے، ان حالات میں کسی جھوٹے نبی کی دس بیس سالہ نبوت کی کارگزاری لائیں تو کہاں سے، اسلامی تاریخ میں سے کوئی ایسی مثال ڈھونڈنا کہ مدعی نبوت

ایک طویل مدت تک زندہ رہا ہو۔ بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہے ہاں اگر کسی اور قوم اس بندو انگریز وغیرہ کی حکومت ہو اور وہاں ایک نہیں بلکہ ایک ہزار چھوٹے نبی بھی پیدا ہو جائیں تب بھی ان کا بال بیکا تک نہیں ہوگا۔

انگریز دوسروں کے غیر سیاسی عقائد میں بہت کم دخل دیتا تھا کوئی نبی ہو یا غیر نبی اس کی بلا سے جناب مرزا صاحب کے دعوے نبوت کے بعد احمدیوں اور غیر احمدیوں (احمدیوں سے زیادہ) سے تقریباً بیس رسول اٹھے۔ مثلاً چرانغ دین (جموں) الہی بخش اکوٹھنٹ لاہور، ڈاکٹر عبدالحکیم (پٹیالہ)، عبد الرحمن محی الدین بکھو کے، غلام دستگیر قصوری، سعد اللہ لدھیانوی، فقیر مرزا عبد اللطیف گناچوری، یار محمد قادیانی، غلام محمد لاہوری، عبد اللہ تیماپوری صدیق دیندار، وغیرہ وغیرہ، ایک دو کے بغیر جو طاعون سے ہلاک ہوئے باقی سب کے سب طبعی موت مرے، غلام محمد لاہوری (احمدیہ بلڈنگس) نے ۱۹۳۱ء میں دعوئے نبوت کیا تھا، اور ۱۹۵۲ء تک وہ اپنے الہامات و معجزات نیز دعاوی و دلائل کے مجموعے (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) مجھے بھیجتے رہے، میں ان تمام کو ردی کی ٹوکری کے حوالے کرتا رہا، البتہ میں نے ان کا ایک طویل خط محررہ ۱۴ مارچ ۱۹۵۰ء محفوظ کر لیا ہے، اس خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ تم نے اپنی تصانیف میں مطالعہ کائنات پہ بحث کی، قوم کو ایشیاء جانی و مالی کا بھی درس دیا، نظام شریعت پہ بھی روشنی ڈالی:

لیکن

الامام المہدیؑ آخر الزمان کے وجود کو آپ نے اپنی تصانیف

اپنی سچائی پر ذیل کے الفاظ میں حلف اٹھاتے ہیں۔

”وحی ۱۶ دسمبر ۱۹۲۵ء۔ خدا کی قسم اس زمانے کا زندہ اولوالعزم رسول ہوں اور اگر اس بات میں میں سچا نہ ہوں تو خدا کی لعنت مجھ پر اور میرے اہل پر ابد الابد تک ہو۔ اور جو میری اس قسم کا یقین نہ کرے وہ بھی خدا کی طرف سے سزا کا مستحق ہے۔“
(عبداللطیف قلم خود)

اس کے مقابل میاں محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی اور مولوی شیر علی صاحب ذیل کے الفاظ میں قسم کھاتے ہیں:

میں محمود احمد اور مولوی شیر علی جو میری جماعت کے ملہم ہیں خدا کی قسم کھا کر اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ مولوی عبداللطیف کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اگر ہم اس قسم میں جھوٹے ہیں تو خدا کی لعنت مجھ پر مولوی شیر علی پر اور ہماری اولاد پر ابد الابد تک ہو۔“

مرزا صاحب کو یہ ماننے سے ہمیں چالیس کر ڈرامت محمدیہ کو کافر قرار دینا پڑتا ہے ان کے ساتھ نماز پڑھنی۔ ان کا نماز جنازہ پڑھنا یا ان کے ساتھ رشتہ داری کرنا حرام قرار دینا پڑتا ہے میں یہ حیثیت نبی مرزا صاحب کے اس فتوے کو منسوخ قرار دیتا ہوں۔“

(اشہار ۴ مارچ ۱۹۲۳ء)

مولوی عبداللطیف کب تک زندہ رہے یقینی طور پر معلوم نہیں گڑھ شکر کے بعض مہاجرین کہتے ہیں کہ وہ ۱۹۲۵ء تک زندہ رہے۔ بعض ان کا سال وفات ۱۹۲۳ء بتاتے ہیں سن وفات چالیس ہو یا پینتالیس۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں

مفتریوں انعام محمد عبداللطیف کو اللہ نے کیوں ہلاک نہ کیا اور کیوں انہیں بیس
بیس برس تک افترا و انللاں کے لیے باقی نہ کھا کیا ان کی رگ گردن اللہ کی رسائی
سے باہر تھی یا نور باللہ اللہ کو وہ اپنی بات بھول گئی تھی۔

”کہ اگر یہ رسول ہم پر افترا باندھنا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ
جان کاٹ ڈالتے۔“

اگر یہ لوگ جھوٹے تھے اور یقیناً جھوٹے تھے تو پھر ان کے ہلاک نہ ہونے
کی کوئی وجہ تو ہوتی چاہیے۔

آئیے وجہ ہم بتاتے ہیں بات یہ ہے کہ زیر بحث کا مفہوم ہمارے علماء
سے آج تک مخفی رہا قرآن مفسر قرآن ہے اس آیت کی تفسیر ایک اور آیت میں
موجود ہے یہاں قابل حل صرف یہ سوال ہے کہ رسول کریم کون ہے اگر اس
سے مراد حضور صلعم ہوں تو جناب مرزا صاحب کا استدلال درست ہے
اور اگر کوئی اور ہو تو درست نہیں ”رسول کریم“ کی تفسیر آیت ذیل میں ملاحظہ

ہو ۱۔ انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش
مکین۔ مطاع ثمر امین وما ما حکمہ بمجتون۔ ولقد اراہ
بالافق المبین۔ وما هو علی الغیب بضنین۔ وما
هو بقول شیطان رجیمۃ

(التکویر)

سارے قرآن میں صرف دو ہی آیات ہیں جن میں قرآن کو رسول کریم
کا قول کہا گیا ہے۔ پہلی آیت میں کہا گیا تھا کہ اگر یہ رسول کریم ہماری طرف غلط باتیں

منسوب کرے۔ تو ہم اس کی رگ جان کاٹ ڈالیں۔ اور اس آیت میں اُسی رسول کریم کی وضاحت کی گئی ہے۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مختلف مظاہر کوئی کا انتظام مختلف فرشتوں کے سپرد ہے، روشنی کافرشتہ سمندر میں پانی بخارات میں بدل رہا ہے، برف تانوں کافرشتہ ہواؤں کو بادلوں میں تبدیل کر رہا ہے، اسی طرح ایک فرشتہ وحی کے کام پر مامور ہے وہ منشائے ایندلی سے اطلاق پاکر اور اس منشاکو اپنے الفاظ میں ڈھال کر کسی رسول کی طرف بھیج دیتا ہے۔ تنزیل (ترسیل، اتارنا) کا انتظام اللہ کرتا ہے اور مشیت کی ترجمانی وہ فرشتہ جسے قرآن میں دو مرتبہ رسول کریم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کو از اول تا آخر پڑھ جائے یہی نظر آئے گا کہ تنزیل کا کام تو اللہ کر رہا ہے۔ لیکن یہ کتاب رسول کریم کا قول ہے۔ امور یزدان کو معاملات انساں پر قیاس کرنا درست نہیں۔ تاہم تفہیم کی خاطر ہم ایک مثال سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں۔

آجکل آپ دیکھتے ہیں کہ حکومت لمبے لمبے احکام جاری کرتی ہے یہ سب کے سب گورنر کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن ان احکام کے الفاظ گورنر کے نہیں ہوتے بلکہ کوئی سیکرٹری ڈرافٹ (مضمون حکم) تیار کرتا ہے جو گورنر کی مشیت یا منشاکا پوری طرح ترجمان ہوتا ہے بس یہی حال صحائف الہامیہ کا ہے کہ الفاظ رسول کریم کے اور ترجمانی خدائی مشیت کی ہوتی ہے حضرت اقبالؒ کے اس شعر میں بھی اس حقیقت پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

محمد بھی تیرا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں تیرا ہے یا میرا

اب آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :

یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے جو بڑا طاقت ور اور ربُّ العرش کے پاس مقیم ہے جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے جو بے حد دیانت دار ہے آپ کا نبی (صاحبِ کرم) دیوانہ نہیں آپ کے نبی نے اس رسول کریم کو ایک روشن افق پہ دیکھا تھا یہ رسول کریم امورِ غیب کے ابلاغ میں سبجھل سے کام نہیں لیتا اور یہ قرآن کسی مردِ شیطاں کا کلام نہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ رسول کریم اور محمد صلعم دو جدا جدا ہستیاں ہیں حضور نے اس رسول کریم کو روشن افق پہ بھی دیکھا تھا یہ ربُّ العرش کے ہاں مقیم ہے اور اس قدر دیانت دار ہے کہ خدائی مشیت کو کسی کمی بیشی کے بغیر انبیاء تک منتقل کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ :-

”اگر یہ رسول کریم کوئی غلط بات ہماری طرف منسوب کرے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی رگِ جان کاٹ ڈالیں۔“

دیکھ لیا آپ نے کہ ”رگِ جان کاٹنے“ کی وعید اس فرشتے سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ حضور علیہ السلام سے جب بنیاد ہی نہ رہی تو پھر وہ قہرِ استدلال کیسے قائم رہ سکتا ہے جو مرزا صاحب نے صرف اسی بنیاد پہ اٹھایا تھا کہ رگِ جان والی وعید کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہے :

نیز یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے کہ اس آیت میں تو خدا افترا علی اللہ کی سزا قتل

تجویز کرے اور باقی دو درجن آیات میں جہاں اسی جرم کا ذکر ہے سزا یا تو ناکامی
ہو یا اگلی دنیا میں جہنم اور یا صرف لعنت مثلاً :-

قَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ هُ

(مفتری ناکام ہو جاتا ہے) نہ کہ قتل

انما يفترى الكذب الذين لا يؤمنون بايات الله واولئك
هم الكاذبون ه

(اللہ کی طرف جھوٹ وہی منسوب کرتے ہیں جو الہی آیات پر ایمان
نہیں رکھتے یہ لوگ جھوٹے ہیں :

یہ نہیں فرمایا کہ یہ قتل ہو جائیں گے بلکہ آیہ ذیل سے صاف صاف معلوم
ہوتا ہے کہ جھوٹا نبی اپنی موت تک مہلت پاتا ہے اور اس کی سزا کا سلسلہ بعد از
موت شروع ہوتا ہے :

ومن اظلم ممن افترى على الله الكذباً او قال اوحى الى
ولم يوح اليه شيء ومن قال ما نزل مثل ما نزل الله ولو تدرى
اذ الظالمون في عذرات الموت والمليكته با سطوا ايدى يهم
اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم
تقولون على الله غير الحق وكنتم عن اياته تستكبرون ه

اس سے بڑا ظالم کون ہے جس نے اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کیا اور کہا کہ میری

طرف وحی آتی ہے حالانکہ نہیں آتی اور جس نے کہا کہ میں بھی اللہ کی طرح وحی نازل کر سکتا ہوں کاش! ان ظالموں کی حالت تم اس وقت دیکھ سکو جب موت کی شدتوں میں فرشتے ان سے کہہ رہے ہوں کہ لاؤ اپنی ارواح آج سے تمہیں رسوا کن عذاب دیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے تھے اور اس کے احکام کے مقابلے میں اکڑتے تھے)

(سورہ انعام رکوع ۱۰)

جناب مرزا صاحب نے آیہ ذیل کو نہایت شد و حد سے
دلیل مماثلت تقریباً اپنی تمام تصانیف میں پیش فرمایا ہے۔
 آیت یہ ہے۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاہدا علیکم کما ارسلنا
 الی فرعون رسولاً ۵۔

(اے اہل عرب! ہم نے تمہاری طرف سچائی کو واضح کرنے والا (شاہد) رسول بھیجا ہے جس طرح کہ فرعون کی طرف بھی ایک رسول بھیجا تھا)
 اور استدلال یوں قائم کیا ہے :-

”کما (جس طرح) کے لفظ سے یہ اشارہ ہے کہ ہمارے نبی صلعم ثلیل موہی
 ہیں..... اور ظاہر ہے کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے نہ کہ مماثلت
 ناقصہ..... اور مماثلت تامہ کی عظیم الشان جہزوں
 میں سے ایک یہ بھی جہز ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف

کمر کے پھر بطور اِکرام و انعام خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریباً چودہ سو برس مُمتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کا خاتمہ ہوا..... اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے الطباق کُلی پا گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایتِ دین کے لیے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مُرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مُرسل رکھا ہے ایسا ہی محدث کا نام بھی مُرسل رکھا..... چونکہ ہمارے سید و رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں اور بعد آنحضرت صلعم کوئی نبی نہیں آسکتا اس لیے اس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے..... اس امت کے محدث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلے میں موسوی امت کے مرسلوں کے برابر ہیں۔

(شہادۃ القرآن ص ۳۶-۲۸)

قرآنی آیات پر غور کے ساتھ نظر کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محمدی استخلاف کا سلسلہ موسوی استخلاف سے بالکل مطابق ہونا چاہیے۔

(شہادۃ القرآن صفحہ ۶۹)

یعنی اسی (موسوی سلسلہ) طرز اور طریق کے موافق اور نیز اسی مدت اور زمانہ کے مشابہ اور اسی صورتِ جلالی اور جمالی کے مانند..... اس امت میں بھی

خلیفہ بناتے جائیں گے اور ان کا سلسلہ خلافت اس سلسلے سے کم نہیں ہوگا جو بنی اسرائیل کے خلفاء کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔
(ازالہ صفحہ ۶۶۱)

”اس امت کے لیے وعدہ تھا کہ بنی اسرائیل کی طرز پر ان میں بھی خلیفہ پیدا ہوں گے۔“
(ازالہ صفحہ ۶۷۱)

اور یہ زمانہ (مسیح موعود اور حضور علیہ السلام کا درمیانی زمانہ) بھی حضرت ثقیل موسیٰ (حضور علیہ السلام) سے اسی زمانہ کے قریب قریب گزر چکا تھا۔ جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان میں زمانہ تھا۔

(ازالہ صفحہ ۶۹۳)

قرآن شریف اپنی نصوص قطعیہ سے اس بات کو واجب کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر جو موسیٰ خلیفوں کے خاتم الانبیاء ہیں اس امت سے بھی ایک آخری خلیفہ پیدا ہوگا۔
(تحفہ گوئیہ صفحہ ۹۱)

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں بارہ موسیٰ خلیفوں کا ذکر فرمایا جن میں سے ہر ایک حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور تیرھواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو..... موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھا یہی بات سلسلہ خلافت محمدیہ میں بھی پائی جاتی ہے یعنی حدیث..... سے ثابت ہے کہ اس سلسلے میں بھی درمیانی خلیفے بارہ ہیں اور تیرھواں جو خاتم ولایت محمدیہ ہے وہ

محمدی قوم (قریش) میں سے نہیں اور یہی چاہیے تھے۔

(تحفہ گوٹروہ ص ۳۶، ۳۷)

سید احمد صاحب (بریلوی) سلسلہ خلافت محمدیہ کے بارہویں خلیفہ ہیں جو حضرت یحییٰ کے مثل اور سید ہیں۔ (تحفہ گوٹروہ صفحہ ۱۰۲)

وقد جاء على اجل بعد نبية المصطفى كمثل
اجل يبعث المسيح فيه بعد موسى

(خطبہ الہامیہ صفحہ ۷۳)

مسیح موعود اور حضور علیہ السلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل ہے جتنا حضرت موسیٰ اور مسیح علیہ السلام میں تھا۔

ان اقتباسات سے استدلال کے تمام پہلو سامنے آگئے :

• اول : کہ آیت میں کما کا لفظ حضور علیہ السلام کو حضرت موسیٰ کا مثل ثابت کرتا ہے :

• دوم : کہ مماثلت سے مراد مماثلت تامہ ہے یعنی دونوں سلسلوں (موسوی و محمدی) کے خلفاء تعداد میں برابر تھے اور مسیح و موسیٰ علیہما السلام کے درمیان اتنا ہی زمانہ حائل تھا جتنا مسیح موعود اور حضور پر نور ہیں۔ نیز موسوی سلسلے میں بارہ خلفاء تھے اور تیرھواں مسیح تھا :

• سوم : کہ جناب مرزا صاحب خاتم الخلفاء (یعنی آخری خلیفہ) تھے۔

• چہارم: کہ جس طرح حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے، اسی طرح مرزا صاحب بھی قریشی نہیں تھے۔

• پنجم: کہ سلسلہ محمدیہ کا پہلا خلیفہ حضرت ابوبکر اور بارہواں خلیفہ سید احمد بریلوی تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس استدلال کے تمام اجزاء پر جداگانہ نظر ڈالی جائے۔

جزو اول

کما حرف تشبیہ ہے تشبیہ کے لیے مکمل مشابہت (مماثلت نامہ) ضروری نہیں، ہم ہر روز سیکڑوں تشبیہات خود استعمال کرتے اور کتب و رسائل میں پڑھتے ہیں کہیں بھی مکمل مشابہت مراد نہیں ہوتی۔ مثلاً:

- ۱۔ زید شیر جیسا ہے۔
- ۲۔ وہ چاند کی طرح ہے۔
- ۳۔ وہ پھول کی مانند ہے۔

ان جملوں میں مکمل مشابہت ہو ہی نہیں سکتی۔ زید کے شیر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کی چار ٹانگیں اور ایک پونچھ ہے اور وہ جنگلی گدھے کھانا ہے نہ کسی کے چاند ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہر مہینے کے پہلے چند روز نا مکمل ہوتا ہے

اور چودھویں کے بعد پھر رُو بنحو ال ہو جاتا ہے۔ اٹخانی دور کے ایرانی مصنفین کی تحریرات تشبیہات و استعارات سے بھرپور ہیں۔ وہ کسی شاعر کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اسے نہنگ قسطنطنیہ اندیشہ بنا دیتے ہیں۔ قاصد کو بدبُذ۔ سلطان کو عقل کل جمشید اور سلیمان کہہ دیتے ہیں۔ اس کی فیاض تھیلی کو سحاب سے تشبیہ دیتے ہیں خود قرآن میں کئی تشبیہات موجود ہیں مثلاً امواج بحر کو پہاڑوں سے اور کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اگر آپ ہر جگہ مکمل مشابہت مراد لیں۔ تو جس شاعر کو آپ نہنگ کہیں گے وہ آپ پر توہین کا مقدمہ بنا دے گا۔ سمندر کی لہروں کو خاک و سنگ کے ٹیلے سمجھنا پڑے گا اور زندہ کافروں کی زندگی سے انکار کرنا پڑے گا۔

(دنیا میں چار ہزار زبانیں ہیں۔ ان میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں۔) ان تمام کتب کو اچھی طرح پڑھیے۔ آپ کو ایک بھی ایسی تشبیہ نہیں ملے گی جس میں مشبہ اور مشبہ بہ میں مکمل مشابہت ہو۔ آپ خود بھی اپنی زبان میں تشبیہات استعمال کرتے ہوں گے۔ کتابوں کو جانے دیجئے۔ کوئی اپنا ہی ایسا تشبیہی جملہ پیش کر دیجئے جس میں مشابہت نامہ موجود ہو۔

اگر تشبیہ ہر جگہ جزوی ہوتی ہے تو پھر قرآن کی آیہ زیر بحث میں کما سے مکمل تشبیہ مراد لے کر اس پر سلسلہ خلافت و مسیحیت کا محل تعمیر کرنا ایک ایسا اقدام ہے جس کی تائید کہیں سے نہیں مل سکتی۔ آیہ زیر بحث میں اللہ نے ایک سیدھی سی بات کہی ہے کہ ہم نے اسے اہل عرب! تمہاری اصلاح کے لیے اسی طرح ایک رسول بھیجا ہے جیسا کہ پہلے فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہاں کئی وجوہات تشبیہ موجود ہیں۔

۱۔ اول: فرعون اور اہل عرب ہر دو کا بدکار و ظالم ہونا۔ موسیٰ و حضور علیہ السلام ہر دو

کو آتشیں شریعت ملنا، دونوں کا صاحب السیف و الکتاب ہونا، موسیٰ علیہ السلام
کافر عون کے ہاں پل کر فرعون کے خلاف اٹھنا اور حضور کا عربوں میں پل کر ان
کے خداؤں کے خلاف لڑے بغاوت بلند کرنا وغیرہ وغیرہ۔

تشبیہ کے لیے صرف ایک پہلو میں مشابہت یعنی ایک وجہ شبہ کافی ہوتی
ہے۔ زید کو شیر سے تشبیہ دینے کے لیے صرف شجاعت کافی ہے، ضروری نہیں کہ
زید پہلے بیس برس جنگل میں رہے، وہاں ہرنوں کا گیدڑوں کا کچا گوشت کھانا سیکھے
دھارنے کی مشق کرے کہیں سے چار ٹانگیں اور ایک پونچھ لائے اور پھر ہم اسے
شیر کہیں۔

اگر بالفرض کہا (حرف تشبیہ) سے مکمل مماثلت ہی مراد ہو سکتی ہے تو پھر
یہی بارہ اور مکمل مماثلتیں۔

انا و احینا الیک کما و احینا الی نوح و النبیین من بعدہ
و ما و احینا الی ابراہیم و اسحاق و یعقوب و الاسباط
و عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان اٰتینا داؤد
ذبوراً۔

(اے محمد! ہم نے تم پر اسی طرح وحی نازل کی جس طرح (کہا) نوح اور انبیاء
مابعد مثلاً ابراہیم، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد عیسیٰ، ایوب، یونس اور سلیمان پہ
نازل کی تھی، اور ہم نے داؤد کو کتاب زبور دی تھی،

اس آیت میں وہی کہا کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مضمون بھی وہی کہ ہم نے

تمہیں اسی طرح رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح ابراہیم واسحاق وغیرہ کو بھیجا تھا آخر وحی اتارنے کا مطلب رسول بنانا ہی ہے نا تو اس آیت کے رُوسے حضور علیہ السلام اور بارہ دیگر انبیاء یعنی نوح ابراہیم وغیرہ میں بھی مکمل مماثلت ثابت ہو گئی حضرت ابراہیم کا سلسلہ انبیاء حضرت موسیٰ کے عہد تک پھیلا ہوا ہے جن میں اسحاق ولعقوب بھی ہیں اور اسماعیل ولوسف (علیہما السلام) بھی امت محمدیہ میں اسحاق ولعقوب کے نسل کہاں سے لاد گئے؟ اور اگر حضور کو قبیل نوح قرار دیا تو طوفان کہاں سے آئے گا۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ گذشتہ انبیاء کی طرح حضور علیہ السلام کو بھی فرض اصلاح و ابلغ پہ مامور کیا گیا اور آپ کو وہی پیغام دیا گیا ہے جو نوح ابراہیم اور موسیٰ کو دیا جا چکا تھا۔

ان دونوں آیات کی تفسیر ایک تیسری آیت میں ملاحظہ ہو۔
 شرع لکم من الدین ما وضع بہ نوحا والذی احینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم وموسیٰ وعیسٰی ؑ
 (اے محمد! ہم نے تمہیں وہی دین عطا کیا ہے جو پہلے حضرت نوح کو دیا تھا۔ اور آج تم پہ نازل ہو رہا ہے اور جو ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسٰی کو بھی دیا تھا۔)

جز دوم

اس جزو کا ملخص یہ ہے۔
 اول: کہ دونوں سلسلوں کے خلفاء تعداد میں برابر تھے۔

دوم، کہ موسیٰ علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام میں چودہ سو سال کا زمانہ حامل تھا۔
 ”کیونکہ شریعت موسوی میں چودہ سو برس تک خلافت کا سلسلہ ممتاز رہا۔“

(شہادت القرآن صفحہ ۲۸)

سوم، کہ حضرت موسیٰ کے بارہ خلفائے تیرھواں مسیح علیہ السلام اور سلسلہ
 محمدی کا تیرھواں خلیفہ مسیح موعود ہے۔

• اول: جہاں تک خلفاء کا تعلق ہے تاریخ کا ہر طالب العلم اس حقیقت سے
 آگاہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سیکڑوں انبیاء ایک ایک وقت میں موجود تھے اور بائبل
 کے صفحات ایسی شہادتوں سے لبریز ہیں، خود جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔
 ”حضرت موسیٰ کو اپنی رسالت سے مشرف کر کے پھر بطور انعام و اکرام۔
 خلافت ظاہری و باطنی کا ایک لمبا سلسلہ ان کی شریعت میں رکھ دیا جو قریباً چودہ
 سو برس تک ممتد ہو کر آخر حضرت عیسیٰ پر اس کا خاتمہ ہوا اس عرصہ میں صد ہا بادشاہ
 اور صاحب وحی اور الہام شریعت موسوی میں پیدا ہوئے۔“

(شہادۃ القرآن صفحہ ۲۶)

یعنی موسوی سلسلے میں صد ہا انبیاء اور بادشاہ تھے۔

”..... اور (موسوی سلسلے میں) صد ہا خلیفے روحانی اور

(شہادت القرآن صفحہ ۲۹)

یہ طور پر ہے۔

..... چنانچہ تورات کی تائید کے لیے ایک ایک وقت میں
 چار چار ونبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔

(شہادت القرآن صفحہ ۴۵)

”حضرت موسیٰ سے حضرت یسح یک ہزار ہائی اور محدث ان میں پیدا

(شہادت القرآن صفحہ ۴۶)

ہوے۔“

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیانی
زمانے میں ہزار ہا انبیاء مبعوث ہوئے تھے جن میں سے بعض کا ذکر قرآن میں موجود
ہے اور بعض کا نہیں۔

وَدُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ (قرآن)

(ہم نے بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں نہیں کیا)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہزار ہا انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ظاہری و
روحانی خلیفے تھے یا نہیں۔ اگر تھے اور ظاہر ہے کہ تھے تو پھر سلسلہ موسوی و محمدی
میں ”مماثلت تامہ“ کیسے ہوئی۔ وہاں ہزار ہا خلیفے سارے سے انبیاء اور یہاں کل تیرہ
خلیفے جن میں سے صرف آخری نبی اور باقی سب امتی۔

پھر میری سمجھ سے یہ چیز بھی باہر ہو رہی ہے کہ جب مرزا صاحب خود تسلیم
فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی تو پھر وہ اسرائیلی خلفاء
کی تعداد صرف بارہ کیوں بتاتے ہیں۔ کیا محض اس لیے کہ ان میں سے صرف بارہ
کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور باقی کا نہیں کیا جس چیز کا ذکر قرآن میں نہ ہو تو
وہ ہوتی ہی نہیں کیا قرآن میں لندن اور پیرس کا ذکر موجود ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ
شہر سطح زمین پہ موجود ہی نہیں؟ جب یہ حقیقت تاریخ سے ثابت ہے اور

آپ خود بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ اسرائیلی انبیاء کئی ہزار کی تعداد میں تھے اور وہ لازماً
سلسلہ موسوی کے ظاہری یا روحانی خلفائے تھے تو پھر ان کی تعداد کو تیرہ تک
محدود کرنے کا کیا مطلب؟

دوم :- آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) کے درمیان
چودہ سو برس کا زمانہ حائل تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور جناب مرزا
صاحب کا درمیانی زمانہ کتنا ہے حضور علیہ السلام کی وفات ۶۳۲ء عیسوی (۱۱ھ)
میں ہوئی تھی اور مرزا صاحب کی ولادت ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء (۱۲۵۵ھ یا ۱۲۵۶ھ)
میں ہوئی۔ حضور علیہ السلام کی رحلت اور مرزا صاحب کی ولادت کے درمیان شمسی
سال صرف ۱۲۰۷ اور قمری ۱۲۴۴ بنتے ہیں۔ اگر ہم حضور علیہ السلام کی رحلت اور مرزا
صاحب کی بعثت کا درمیانی زمانہ شمار کریں تو وہ بھی ۱۲۳۲ برس (شمسی) بنتے ہیں۔
اس لیے کہ آپ کو پہلی مرتبہ ۱۸۶۵ء میں الہام ہوا تھا۔

یہ مماثلتِ تامہ کس قسم کی ہے کہ ایک حساب سے حضور علیہ السلام دو عودہ
کا زمانہ موسیٰ و مسیح کے زمانہ سے ایک سو تیرا نوے اور دوسرے حساب سے ایک
سو اڑسٹھ برس کم بنتا ہے۔ اگر ہم دلیلِ مماثلت کو تسلیم کر لیں تو آئندہ اڑھائی سو
برس تک جتنے مدعی بھی مسیح موعود بن کر آئیں گے، انہیں ماننا پڑے گا ورنہ وہ
کہیں گے کہ جب مرزا صاحب وقت مقررہ سے پونے دو سو برس پہلے تشریف
لے آئے تھے اور آپ لوگوں نے انہیں مان لیا تھا تو پھر پونے دو سو برس بعد
از وقت آنے والے کو آپ کیوں تسلیم نہیں کرتے؟

شیق سومر کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ شقِ اول کے ضمن میں ہو چکا ہے

جز و سوم

جناب مرزا صاحب نے مماثلت تامہ کی بنا پر اپنے آپ کو سلسلہ محمدی کا خاتم الخلفا قرار دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرماتے ہیں:

”میں اس بات کو تو مانتا ہوں کہ ممکن ہے کہ میرے بعد کوئی اور مسیح ابن مریم بھی آوے۔“

(ازالہ صفحہ ۴۸۸)

”مجھے اس بات سے انکار نہیں کہ میرے سوا کوئی اور ثیل مسیح بھی آنے والا ہو۔“

اشہارۃ فروری ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت

(ج ۱، صفحہ ۱۶۲)

”میں اس سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا اور نہ کروں گا کہ شاید مسیح موعود کوئی اور بھی ہو۔ اور شاید یہ پیش گوئیاں جو میرے حق میں روحانی طور پر ہیں ظاہری طور پر اس پر جمتی ہوں۔ اور شاید مسیح مسیح و مشق میں کوئی ثیل مسیح نازل ہو۔“

مرزا صاحب کا خط بنام مولوی عبد الجبار

مندرجہ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۱۵۹

اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں ہے کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال و اقبال کے

ساتھ آوے اور ممکن ہے کہ اول دمشق میں نازل ہو۔“

(ازالہ صفحہ ۲۹۶)

”میرا یہ دعوے نہیں کہ حضرت عیسیٰ ہونا میرے ہی پر ختم ہو گیا ہے بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار عیسیٰ مسیح آجائیں۔“

(ازالہ صفحہ ۱۹۹)

”لہذا ضروری ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبے پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں جن میں سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔“

(مرزا صاحب کا لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۲)

در حقیقت امت محمدیہ کی شان بھی اسی میں ہے کہ اس میں جہاں صلحا، اولیا، شہدا اور اصدقا پیدا ہوں وہاں ایسے بھی انسان ہوں جو خدا سے شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل کر کے نبی بن جائیں۔

(الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء)

دوسرا پہلو

”ہم اس امت میں صرف ایک ہی نبی کے قائل ہیں۔“

(حقیقت النبوة از میاں محمود احمد صاحب)

(صفحہ ۱۳۸)

اس امت میں نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا دوسرے

لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

..ح (موعود) خاتم خلفائے محمدی ہے۔“

(تحفہ گوٹروہ صفحہ ۹۲)

ان اقتباسات کو پڑھنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جناب مزارع صاحب واقعی سلسلہ محمدی کے آخری خلیفہ تھے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اس ارشاد کا کیا مطلب۔

”اس عاجز کی طرف سے یہ دعویٰ نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر خاتمہ ہے۔“

اور اگر نفی میں ہے تو پھر ”مسیح موعود خاتم خلفائے محمدی“ کیسے بن گیا اور وہ ”ممانیت تامہ“ کہاں گئی۔

جزو چہارم

اس جزو کا ملخص یہ کہ موسوی سلسلے کا آخری خلیفہ حضرت مسیح اسرائیلی نہیں

تھا۔ اسی طرح محمدی سلسلے کا آخری خلیفہ (مسیح موعود) بھی قریش سے نہیں۔

اگر حضرت مسیح اسرائیلی نہیں تھے تو پھر اسرائیلی سلسلے کے آخری خلیفہ

کس بنا پر قرار پائے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہوتا کہ نسب کے لحاظ سے وہ حضرت اسحاق

کے فرزند تھے، یا حضرت اسماعیل کے حضرت ابراہیم کے بعد عربی انبیاء کا سلسلہ
اولاد ابراہیم میں محدود رہا، اگر وہ اسحاق کی پشت سے تھے، تو اسرائیلی تھے
ورنہ اسماعیلی ہوں گے اور یہ صریحاً غلط ہے اس لیے کہ مشرق و مغرب کے
تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسماعیل کی پشت سے صرف ایک رسول پیدا
ہوا تھا، یعنی حضور علیہ السلام۔

اگر مسیح کی ولادت معجزانہ تھی اور ان کے والد کوئی نہیں تھے تو کیا ان کی
والدہ مریم علیہا السلام کا بھی کوئی سلسلہ نسب نہیں تھا؟ قرآن حکیم نے حضرت مریم
کو اخت ہارون یعنی ہارون کی بہن کہا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام اسرائیلی تھے
انجیل میں درج ہے:

”تو اے مریم حاملہ ہوگی، اور بیٹا جنے گی، اس کا نام یسوع رکھنا، وہ بزرگ
ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت
اسے دے گا۔“
(یوقا ۳۴)

حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت مسیح کا باپ کہا گیا ہے اور داؤد علیہ السلام
اسرائیلی تھے۔

انجیل متی کا پہلا فقرہ یہ ہے:

”یسوع مسیح بن داؤد بن ابراہیم کا نسب نامہ۔“

خود مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

”حضرت مسیح علیہ السلام پورے طور پر بنی اسرائیلی نہ تھے بلکہ صرف ماں
کی وجہ سے اسرائیلی کہلاتے تھے۔“
(نیکچر سیاکلوٹ صفحہ ۸۷)

والد تو تھا نہیں اور ماں اسرائیلی تھی تو پھر وہ خیر اسماعیلی کیسے بن گئے اور اگر اسرائیلی نہیں تھے تو کیا اسماعیلی تھے؟ راجحوت تھے؟ کوروتھے؟ پانڈوتھے؟ آخر کیا تھے؟ اور پھر یہ ”پوسے طور پر بنی اسرائیل سے نہ ہونے“ کا مفہوم کیا ہے؟ کیا وہ بیس یا تیس فی صدی اسرائیلی تھے اور باقی ستر فی صدی کچھ اور؟

بہر حال اس حقیقت سے کوئی مؤرخ انکار کر ہی نہیں سکتا کہ حضرت مسیح نسب کے لحاظ سے سو فی صدی اسرائیلی تھے۔ اس لیے سلسلہ مماثلت کی یہ کڑی بھی ٹوٹ گئی۔ جناب مرزا صاحب خود تسلیم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قریش میں سے تھے اور مشہور حدیث :-

«الانتم من قریش»

(میری امت کے خلفا قریش سے ہوں گے)

کے مطابق سلسلہ محمدی کے خلفا کا بھی قریشی ہونا ضروری ہے۔

”اُن (مسیح علیہ السلام) کے دوبارہ آنے میں کس قدر خرابیاں اور کس قدر مشکلات ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہ وہ بوجہ اس کے کہ وہ قوم کے قریشی نہیں ہیں کسی حالت میں امیر نہیں ہو سکتے۔“

۱۱ ازالہ صفحہ ۵۹

تو پھر فارسی النسل مرزا صاحب ائمہ قریش کے سلسلے کی آخری کڑی کیسے بن سکتے ہیں؟

جزو پنجم

جناب مرزا صاحب نے سلسلہ محمدیہ کے مصروف و خلفاء کے نام بتائے ہیں
خلیفہ اول یعنی حضرت ابوبکر اور خلیفہ دوم حضرت سید احمد بریلوی ان کے
درمیانی خلفاء کون تھے مرزا صاحب نے ذکر نہیں فرمایا اور نہ ہمیں علم ہے اس لیے ان
پر بحث ممکن ہی نہیں البتہ ان دو خلفاء کے سلسلے میں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ:

- اول۔ وہ دونوں قریش تھے اور آپ منغل۔ یہ کیا؟
- دوم۔ وہ دونوں غیر نبی تھے اور آپ نبی۔ یہ کیوں؟
- سوم۔ وہ دونوں عمر بھر مصروف جہاد رہے اور آپ عمر بھر جہاد کے
خلاف لکھتے رہے یہ کس لیے؟
- چہارم۔ وہ دونوں اسلامی سلطنت کے قیام و بقا کے لیے کوشاں رہے
اور آپ سلطنتِ فرنگ کے استیقام کے لیے یہ خلافت کیسی؟

ماحصل یہ کہ استدلال مماثلت کی کوئی کڑی صحیح و سالم نہیں رہی۔
احمدی بھائیو! میرا مقصد جناب مرزا صاحب کے دعاوی و تحریرات کی کورانہ
و متعصبانہ تردید نہیں بلکہ محض تلاشِ حقیقت ہے اگر مرزا صاحب واقعی رسول
تھے اور باب رسالت وائے تو مجھے سمجھائیے میں بیانگِ ذہل حضرت مرزا صاحب
کی رسالت کا اعلان کر دوں گا۔ میری کتاب ”ایک اسلام“ میں آپ نے ملاحظہ
فرمایا ہوگا کہ میں حضرت بُدھ حضرت کرشن حضرت راجندر اور حضرت زرتشت

علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کا بھی قائل ہوں۔ اس لیے کہ ان حضرات کے زمانے میں سلسلہ نبوت جاری تھا اور مجھے ان کی نبوت پہ کچھ دلائل بھی مل گئے ہیں۔ اسی طرح اگر مجھے مطمئن کر دیا جائے کہ سلسلہ نبوت جاری رہے اور جناب مرزا صاحب میں انبیاء علیہم السلام کا جلال و جمال موجود تھا تو مجھے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔ دوسری طرف اسے برادران کرام! اگر آپ کو کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ جناب مرزا صاحب نبی نہیں تھے تو پھر میں آپ سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ خدا کے لیے یہ کفر و اسلام کی مہینوئی دیواریں گرا دیجئے۔ ان خلیجوں کو پاٹ دیجئے جو آپ میں اور سواد اعظم میں حائل ہو چکی ہیں اور بظاہر تو ہم ایک ہی ہیں یعنی تمدن نام، لباس، صورت، فقہ، شریعت، عبادات، مساجد قبلہ سب ایک ذہنات بھی ایک ہو جائیں :

ع۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(چٹا باب)

مسیح و دجال

مسیح و دجال کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ گزشتہ
ڈیڑھ سو برس میں انگریز کی پالیسی و نیائے اسلام کے متعلق کیا رہی۔ چونکہ مسلمان
ہندوستان سے قسطنطنیہ اور مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ مختلف اسلامی ممالک پہ جداگانہ بحث کی جائے :

ترک انیسویں صدی کے اواخر میں ترکی سلطنت خرابیوں کی آخری
حدود تک پھیلی ہوئی تھی۔ مراکش اور الجیریا آزاد اسلامی سلطنتیں تھیں
مراکش کو کئی طرح اہمیت حاصل تھی :

۱۔ اول کہ وہ آبنائے جبل الطارق کے عین سامنے واقع تھا اور اس پر
قابل قوم بحیرہ روم اور اوقیانوس کی گزرگاہوں کے لیے مستقل
خطرہ بن سکتی تھی۔

۲۔ دوم اس میں لوہے کی کانیں تھیں :

۳۔ سوم یہاں سے لڑائی کے لیے بہترین رنکروٹ بل سکتے تھے :

۴۔ چہارم یہ اچناس خام کا بہت بڑا ذخیرہ تھا یہ فوائد و منافع دیکھ کر فرانس

کے منہ میں پانی بھرا یا۔ لیکن انگریز درمیان میں آگودار بڑی لے دے کے بعد ان

دونوں اقوام میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے زور سے فرانس کو مراکش پر اور انگریز کو مصر پر قبضہ کرنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ انگریزوں نے ۱۸۸۲ء میں بلاوجہ اسکندریہ پر بمباری شروع کر دی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ترکی کا مرد بیمار کافی نحیف ہو چکا تھا اور اس میں ان نوخیز آلاتِ جدیدہ سے مسلح اور فتنہ جو اقوام سے طاقتِ مقابلہ باقی نہیں رہی تھی چنانچہ ترکوں کو رسوا کن شرائط پہ صلح کرنا پڑی اور انگریز نے مصر کے ایک حصے پر تسلط جمالیا۔ چھ برس بعد مصر کے تمام مالیہ پہ قبضہ کر لیا اور عثمانیوں کا تسلط محض برائے نام باقی رہ گیا۔ ۱۸۹۶ء میں انگریزی فوجوں نے لارڈ کچنر کی کمان میں سوڈان پر حملہ کر دیا اور دو سال بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ سوڈان میں انگریزی فوجیں اس انداز سے داخل ہوئیں کہ شہیدانِ وطن کی قبریں کھود کر ہڈیاں باہر پھینک دیں، اور مہدی سوڈانی کی لاش سے تو وہ ذلت آمیز سلوک کیا کہ خدا کی پناہ۔ ۱۸۹۹ء میں انگریزوں نے تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر مصر پر مکمل قبضہ کر لیا، اور لارڈ کچنر پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔

اہل مصر کے ساتھ انگریزوں کا سلوک کیا تھا، اس سلسلے میں صرف ایک کہانی سنیے۔

۱۳ جون ۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے کہ چند انگریز افسر شکاری بندوقیں اٹھائے ایک گاؤں جانکے اور وہاں قریب کے کھیتوں میں خانگی کبوتروں کا شکار کھیلنے لگے۔ چند دیہاتی اُن کے پاس گئے اور کہا کہ یہ ہمارے پالتو کبوتر ہیں، انہیں مت مار بیٹے۔ اس پر انگریز بہادر نے بگڑ کر کہا:

”ویل ٹم بھاگنا مانگتا، ورنہ ہم تم کو گولی مارنا مانگتا۔“

دیہاتیوں نے اپنی التماس پہ اصرار کیا تو ان ٹامیوں نے بند وقوعوں کا منہ ان کی طرف پھیر دیا۔ یہ غریب بھاگ نکلے انہوں نے ان پر اندھا دھند فائر کیے جن سے ایک نوجوان لڑکی جو کھیت میں سے گزر رہی تھی ہلاک ہو گئی اس پر چند مشتعل دیہاتیوں نے ان ٹامیوں پر پتھر برسائے ٹامیوں نے اپنے افسر اعلیٰ لارڈ کرومر کو اطلاع دی:

سارا گاؤں گرفتار کر لیا گیا اور مندرجہ ذیل سزائیں فوراً نافذ ہوئیں۔

۱۔ چھ دیہاتیوں کو جنہوں نے پتھر برسائے تھے موت کی سزا دی گئی:

۲۔ چھ کو سات سال قید بامشقت۔

۳۔ تین کو ایک سال قید اور پچاس پچاس کو ڈرے۔

۴۔ باقی سارے گاؤں والوں کو پچاس پچاس کو ڈرے لگائے گئے

اس واقعہ کے بعد لارڈ کرومر نے جو رپورٹ حکومت برطانیہ کو بھیجی

اس میں درج تھا:

”سزائوں کے نافذ کرنے میں انسانیت کے پورے احساسات کو ملحوظ

رکھا گیا۔“ (تاریخ انقلابات عالم، ابو سعید بزمی صفحہ ۳۵۵)

جب اس واقعہ کا ذکر پارلیمنٹ میں آیا تو وزیر خارجہ نے کہا کہ اس شورش

کے ذمہ دار عبدالنبی اور حسن تھے، انہوں نے محمد کے نام پر عیسائیت

کے خلاف ایک سازش شروع کر رکھی تھی جسے ختم کرنا ضروری تھا اور میں ہاؤس

کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ چھ مصلوبوں میں یہ دو شورش پسند بھی شامل تھے۔

دیکھا آپ نے کہ دو آدمیوں کو سولی دینے کے لیے کیا راستہ اختیار کیا گیا کہ پہلے ٹامیوں کو اس گاؤں میں بھیجا۔ انہوں نے پالتو کبوتروں پر فائر کر کے لوگوں کو مشتعل کیا جب لوگوں نے احتجاج کیا تو انہوں نے بے دھڑک گولیاں برساتیں اور پھر مظلوم بن کر لارڈ کرڈمز کے پاس پہنچے، اس نے اس واقعہ کو بغاوت کی صورت دے کر عبدالمغنی اور حسن کو چار ساتھیوں سمیت سولی پر لٹکا دیا۔ اُسے کہتے ہیں انصاف، تہذیب اخلاق اور رعایا پروری

۱۹۱۱ء میں برطانیہ واطلی میں بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا جس کے رو سے اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا وہاں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نہتے مرد و زن قتل کر ڈالے، شہر کے شہر جلا دیے بلکہ بعض شہروں کی ساری آبادی کو شیرخوار بچوں سمیت موت کے گھاٹ اتار دیا، ہزاروں کو آگ میں زندہ پھینک دیا عورتوں کو برہمنہ کر کے پھانسی پر لٹکا دیا، ایک بہت بڑی تعداد کو زنجیروں میں جکڑ کر تپتے ہوئے صحراؤں میں ڈال دیا، ہزار ہا کو بلند چٹانوں سے دھکیل دیا، سیکڑوں کو ہوائی جہازوں سے زمین پر پھینک دیا اور لاکھوں بچوں کو آغوشِ مادر سے الگ کر کے اٹلی میں بھیج دیا تاکہ انہیں عیسائی بنایا جائے، ان مظالم سے ”لندن ٹائمز“ جیسا سنگدل اخبار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اس نے کہا:

”یہ مظالم اس سمجھوتہ کا نتیجہ ہیں جو اٹلی اور برطانیہ میں ہوا تھا اور جس کے رو سے اٹلی کو ان ممالک پر حملہ کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔“
یہ تو تھا حال طرابلس کا مصر میں انگریزوں ہاتھوں سے مصر کو لوٹ

رہا تھا۔ خام اجناس سستے داموں خرید کر کسانوں کو کمزور کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ قحط
و گرائی کی وجہ سے ملک کی یہ حالت ہو گئی کہ طول و عرض مصر میں انگریزی مظالم پہ
گیت تیار ہو گئے یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک دور افتادہ دیہاتی کو گیت گاتے
ہوئے سنا گیا :

وائے برف رنگ

جو ہمارے غنہ لے گیا

تمام مویشی لے گیا

سارے بچے لے گیا

اب ہمارے پاس

صرف جانیں رہ گئیں !

اے رب

تو ہمیں جلد نجات دلا

نجد و حجاز

اٹھارویں صدی کے رُبعِ اول میں محمد بن عبدالوہاب

(ایک مصلح) نجد سے اٹھا اس کا مقصد قبر پرستی اور دیگر بچھوڑ

رسوم و عقائد کی بے نیکی تھا۔ نجد کا سردار محمد بن سعود اس کا پیرو بن گیا محمد بن عبدالوہاب

ترکوں کے خلاف تھا اس کے تمام مرید سردار نجد کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے

اور ترکوں کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم ہو گیا ۱۸۱۵ء میں ترک سپاہ

نے سردار نجد عبدالعزیز کو قتل کر ڈالا اور اس کی جمعیت کو پریشان کر

دیا۔ اس کا ایک پانچ سالہ بیٹا عمر نامی عمان میں پہنچا دیا گیا۔ اس نے بڑے ہو کر

چند قبائل کو ساتھ ملا لیا اور ریاض پر حملہ کر کے اسے فتح کر دیا یہ ۹۱۲ء کا واقعہ ہے۔ ترکوں کے گورنر شریف مکہ نے اس پر حملہ کر دیا اور اسے ایک زبردست شکست دی۔ لیکن سردار کی نجد سے اسے محروم نہ کیا۔

جب ۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں انگریزوں نے شریف مکہ سے بغاوت کرائی تو عمر بن عبدالعزیز (سردار نجد) کو بھی ساتھ ملا لیا۔ ہر چند کہ عمر دوم مرتبہ ترکوں سے مار کھا چکا تھا اور اب انتقام لینے کا موقعہ تھا۔ لیکن اس کی اسلامی غیرت اُسے آنی اور اس نے برطانیہ کی تمام تر غلیبات کو جھٹک دیا۔ دوسری طرف ترکوں کے ایک نمک خوار ہاشمی نے محافظین حرم کی وہ خبر لی کہ انہیں پہلے جزیرۃ العرب سے پھر شام اور پھر عراق سے لکھنا پڑا۔

جنگ کے بعد شریف مکہ کو غداری کے صلے میں صرف حجاز کا امیر بنا دیا گیا اور شرقِ اردن، فلسطین، شام اور عراق اس کی سلطنت سے کاٹ دیے گئے۔ شریف مکہ نے بہتیرا شور مچایا کہ او میرے آقاؤ! میں اس لڑائی لنگڑی اور کان کٹی سلطنت کو کیسے چلاؤں گا۔ خدا کے لیے عراق، شام اور دوسرے علاقے ساتھ رہنے دو۔ لیکن سنتا کون تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مفلس سلطنت اپنے بوجھ کے نیچے خود ہی دبتی گئی۔ ہر سو قحط و افلاس اور بد نظمی کی وجہ سے اضطراب ہو گیا۔ جس سے ابن سعود نے فائدہ اٹھایا اور ۱۹۳۱ء میں شریف پر حملہ کر دیا۔ شریف بھاگ گیا اور چھ برس بعد انگریزوں نے ابن سعود کی سلطنت کو بادلِ نخواستہ منظور کر لیا۔ زخم لگائے بغیر؟ نہیں۔ بلکہ مندرجہ ذیل کام کے علاقے اپنے قبضے میں کر لیے۔

۱۔ حضرت موت کا علاقہ ایک لاکھ بارہ ہزار مربع میل

۲۔ عدن

۳۔ مسقط و عمان کا علاقہ بیاسی ہزار مربع میل

۴۔ بحرین اور ملحق علاقے اسی ہزار مربع میل

۵۔ جدہ

اور یہی وہ علاقے تھے جن میں تیل کے بے اندازہ ذخائر لوہے اور
سونے کی معادن اور لوہو و مرجان کے چشمے تھے یہ علاقے تو لے لیے انگریز
نے اور باقی ساری ریت سلطان ابن سعود کے حوالے کر کے کہا کہ لوہہ اور
جتنی چاہو پھانکو :

شام

بعد از جنگ شام فرانس کے حوالے ہوا۔ اس پر
شامیوں نے سخت احتجاج کیا کہ دوران جنگ میں تو تم نے
ہم سے آزادی کا وعدہ کیا تھا لیکن :

ع۔ دل شاہیں نمی سوزد بریں مرغی کہ در چنگ است
نتیجتہ تمام لیڈروں کو جیل میں ڈال دیا گیا دمشق پر مسلسل آرتائیس
گھنٹے بمباری کی گئی۔ ظالم فرانسیسیوں کے ٹینک دمشق کے حسین بازاروں
میں داخل ہو گئے اور اس قدر گولہ باری کی کہ بازار اینٹوں کا ڈھیر بن گئے اور ہزاروں
متمول خاندان بھکاری بن کر رہ گئے یہ سب کچھ ہوتا رہا لیکن برطانیہ لٹس سے مس نہ ہوا :

عراق

جنگ عظیم (۱۸ - ۱۹۱۴) میں عراقیوں کو بھی آزادی کا چکمہ دے

کمر انگریزوں نے ساتھ ملا لیا۔ لیکن جنگ کے بعد انگریز عراق کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ترکوں کی حکومت میں تمام افسر عراقی تھے لیکن انگریز کے زمانے میں ساڑھے چار سو افسروں میں سے ایک بھی عراقی نہ تھا۔ حیب قحط و گرائی اور انگریز کی شہرہ آفاق لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے سارا عراق قلیوں اور گھسیاروں کی بستی بن کر رہ گیا تو اس پر مظاہرے ہوئے پکڑ دھکڑ اور دار و گیر کے بعد مظاہرے بغاوت میں تبدیل ہو گئے۔ ۱۹۲۰ء کی بغاوت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگا لیجئے کہ اس میں برطانوی فوج کے دس ہزار سپاہی (آٹھ ہزار ہندوستانی اور دو ہزار انگریز) ہلاک ہوئے تھے اس کے بالمقابل نہتے عراقیوں کی کیا درگت بنی ہوگی۔ خود ہی اندازہ کر لیجئے۔ آخر برطانیہ کو عراق کے مطالبہ نیم آزادی کے سامنے جھکنا پڑا۔

شریف مکہ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو فلسطین اور دوسرے کو شام کا سلطان بنایا گیا تھا۔ لیکن شام نے کوئی بہانہ سامنے رکھ کر فیصل کو شام سے نکال دیا۔ بعد ازاں جب عراق میں انتخاب شاہ کا مسئلہ سامنے آیا تو عراقیوں نے ایک ”محب وطن“ کو امیدوار نامزد کیا۔ لیکن برطانیہ مضر تھا کہ شام سے نکالے ہوئے امیر فیصل کو چنا جائے۔ جب عراقی نہ مانے تو برطانیہ نے ان کے امیدوار کو پکڑ کر جلا وطن کر دیا اور زبردستی امیر فیصل کو شاہ عراق بنوا دیا۔ یہ بھی حقیقت آزادی عراق کی آزادی تو دے دی لیکن شعبہائے ذیل برطانیہ کے قبضے میں رہے اور شاید اب تک ہیں۔

۲۰۔ خفیہ پولیس

۳۰۔ تمام ہوائی اڈے

۴۰۔ بندرگاہیں

۵۰۔ تیل کے چشتے

۶۰۔ تمام معاون و ذخائر

اور باقی رہ گئی ریت۔ تو کہا کہ جتنی چاہو۔ پھانک دو ہم قطعاً دخل نہیں

دیں گے۔

فلسطین

فلسطین عرب کا جزو لاینفک تھا اور برطانیہ نے شریف

مکہ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ سارا عرب اس کے تسلط میں رہے

و یا جائے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب فتح کے آثار نظر آنے لگے عراق و عرب سے ترکوں

کو دس لاکھ لال چکا، تو ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور نے اعلان

کر دیا کہ فلسطین کو یہود کا وطن بنایا جائے گا۔ اس اعلان پر ساری دنیا نے اسلام

میں اضطراب کی ایک لہر دوڑ گئی۔ مسلمانانِ عالم نے برطانیہ کو اپنے مواعید یاد دلائے

لیکن یہاں کون سنتا تھا چنانچہ ۱۹۱۸ء میں یہود کی آمد شروع ہو گئی۔ ارضِ پاک میں

ہنگامے ہوئے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ انگریز کی سنگینیں بے دھڑک

عربوں کے سینے چیرنے لگیں اور اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے

برطانیہ نے ۱۹۲۰ء میں ایک یہودی، سر ہربرٹ سموٹیل کو فلسطین کا ہائی کمشنر

بنا کر بھیج دیا اس شخص نے عربوں کی وہ خبر لی اور میثاق شریف و برطانیہ کی وہ مٹی

پلید کی کہ تو بہ ہی بھلی نتیجہ سات لاکھ عرب گھروں سے نکال دیے گئے ان میں

سے لاکھوں بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکے ہیں، اور باقی صحرا میں ادھر ادھر
تباہ ہو رہے ہیں۔

دیکھا! آپ نے برطانیہ کے انصاف، مواعید پروری اور مسلم دوستی

کا عالم!

شرق اردن

اس علاقہ کی کل آبادی چار لاکھ، بجٹ صرف پانچ لاکھ

پونڈ سالانہ دار الخلافہ عمان کی آبادی بارہ ہزار، ہر طرف

ریت، جھکڑ، کیکر اور خانہ بدوش قبائل یہ ہے نقشہ اس سلطنت عظمیٰ کا جس پر
شریف مکہ کے ایک بیٹے عبداللہ کو مسلط کیا گیا تھا۔ پھر لطف یہ کہ سارے اختیار
انگریز ریڈینٹ کے قبضہ قدرت میں دے دیے گئے۔

اس سلطنت کی تخلیق کا مقصد صرف تقسیم عرب اور عربوں کی قوت

و مرکزیت کا خاتمہ تھا، ورنہ ایسے ریگستان جس میں مزروعہ زمین کا رقبہ صرف تیس
مربع میل ہے، سلطنت کون قائم کرتا ہے؟ امیر عبداللہ تادم زندگی انگریز کا وظیفہ
خوار رہا، انگریزوں کے اشارے پہ پیلی کا ناچ دکھاتا رہا اور قوت و مرکزیت
کی ہر تجویز کا ہمیشہ مخالف رہا۔

۱۹۰۷ء میں برطانیہ و روس میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا

ایران

جس کے رو سے شمالی ایران کی دولت پر روس اور باقی پر

برطانیہ قابض ہو گیا جب اس نا انصافی پر عوام اور ان کے نمائندوں نے سخت
احتجاج کیا تو شاہ ایران نے برطانیہ کا اشارہ پا کر تمام ممبران پارلیمان کو سولی پہ لٹکا دیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد لارڈ کرزن نے احمد شاہ قاجار (شاہ ایران برائے نام) سے ایک سمجھوتے پر دستخط کرائے جس کے رُوسے روس کا اثر ایران میں ختم ہو گیا اور ایران کے تمام وسائل دولت نیز امور داخلہ و خارجہ پہ انگریز قابض ہو گیا۔ ۱۹۲۱ء میں رضا شاہ پہلوی نے بعد از انقلاب صورت حال میں کچھ تبدیلی پیدا کی لیکن ۱۹۲۱ء میں برطانیہ نے رضا شاہ پہلوی کو گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا اور سات برس تک ایران پر بلا شرکت غیرے حکومت کی۔ دوسری جنگ کے بعد ایران کی سیاست میں تبدیلیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء میں ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر مصدق نے انگریز کو ایران سے نکال باہر کیا اور تمام وسائل دولت اپنے قبضے میں لے لیے۔ لیکن تاکہ

انگریز اپنی ریشہ دوانیوں میں مسلسل مصروف رہا یہاں تک کہ ڈاکٹر مصدق کو گرفتار کر لیا گیا اور آج کل (دسمبر ۱۹۵۳ء) میں ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔

انگریز ہندوستان میں

یہ تو تھی برطانیہ کی پالیسی بیرون ہند۔
آئیے اب یہ دیکھیں کہ انہوں نے ہندوستان

کے مسلمانوں سے کیا سلوک کیا۔

۱۶۰۸ء میں ایک برطانوی جہاز سورت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا یہاں ان لوگوں نے ایک تجارتی ادارہ بنالیا اور شہنشاہ مغلیہ سے تجارتی حقوق حاصل کر لیے اپنی حفاظت کے لیے کچھ فوج بھی رکھ لی۔ جب سک کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو گئے تو انہوں نے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیے اور چار سو فتنہ و سازش کا ایک جال پھیلادیا۔

۱۔ ۱۶۵۱ء میں اورنگ زیب عالمگیر شہنشاہ ہند کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ لیکن سخت شکست کھائی اور تمام تجارتی حقوق سے محروم ہو گئے۔ حالات کو دیکھ کر انگریز خوشامد اور چالپوسی پہ اتر آیا اور چند برس بعد دوبارہ تجارتی حقوق حاصل کر لیے ساتھ ہی اپنی عسکری قوت کو چیکے چیکے کافی بڑھا لیا اور شہنشاہ سے ٹکر لینے کی جگہ چھوٹے بڑے نوابوں اور راجوں کی طرف توجہ پھیر دی۔

۲۔ چنانچہ کلکتہ میں نواب سراج الدولہ کے خلاف فتنہ اٹھایا اس نے مجبوراً حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے کلکتہ کو آگ لگا کر ہزار ہا انسانوں کو زندہ جلا دیا اور ہزار ہا کو مفلس و بے نوا بنادیا۔ بازاروں کو جلا کر لوگوں کی اقتصادی قوت کو توڑ دینا اہل فرنگ کا پرانا حربہ تھا جسے یہ لوگ نہایت کامیابی سے مراکش۔ طرابلس اور دمشق میں استعمال کر چکے تھے۔ اسی چند انگریزوں کا وفادار اور سراج الدولہ کا غدار تھا لیکن اس جنگ میں وہ بھی نہ بیچ سکا۔ فوجی گورے اس کے گھر میں داخل ہو گئے اس کی دیو لیوں کی عصمت دری کی غیرت میں آکر محافظہ حرم نے حرم کو آگ لگا دی۔ اور تمام بیگمات کو اپنے سمیت بھون ڈالا۔

اس جنگ میں سراج الدولہ نے انگریز کو شکست فاش دی لیکن اسلامی رواداری سے کام لے کر معاف کر دیا۔ انگریز نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ کلائیو نے ۱۷۵۷ء کو چاکس سراج الدولہ پہ حملہ کر کے اسے راہ فرار اختیار کرنے پہ مجبور کر دیا اور اس کے غدار وزیر جعفر کو مستند بنگال پہ سواد دو لاکھ پونڈ رشوت لے کر بٹھا دیا۔ تین سال بعد ایک

اور امیدوار میر قاسم نے چپس لاکھ روپیہ مسند بنگال کی قیمت پیش کی جسے کمپنی نے منظور کر لیا اور جعفر کی گدی میر قاسم کو دے دی اس سے تین اضلاع لے کر اپنے قبضے میں کر لیے۔ نیز بیس لاکھ روپیہ مزید طلب کیا۔ میر قاسم نے یہ رقم وصول کرنے کے لیے امراد و غرباد و نوب پہ بھاری ٹیکس عائد کیے۔ بیگمات کا زیور فروخت کیا۔ لیکن رقم پھر بھی پوری نہ ہو سکی۔ اس پر کمپنی کے تیور بدل گئے اور میر جعفر سے ۷۵ لاکھ روپیہ لے کر اسے دوبارہ نواب بنادیا اور بیچارہ میر قاسم ادھر ادھر بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ جعفر جلد فوت ہو گیا اور کمپنی نے اس کے بیٹے نجم الدولہ کو پینتیس لاکھ روپیہ کے عوض مسند نشین بنادیا۔ خلاصہ یہ کہ نو برس کی قلیل مدت میں کمپنی نے اس سیاسی جوڑ توڑ سے جو رقوم بطور رشوت وصول کیں ان کی میزان تیس کروڑ روپیہ سے متجاوز تھی۔

۳۔ ۱۵ ستمبر ۱۷۸۲ء کو شجاع الدولہ شاہ اودھ پہ بلا وجہ حملہ کر کے انگریزوں نے بڑی خونریزی سے کام لیا۔

۴۔ وارن ہسٹنگز نے ۱۷۸۲ء میں الہ آباد پہ حملہ کر دیا۔ مغل افواج کو شکست ہوئی۔ ہسٹنگز چونکہ کمپنی کا ملازم تھا اور کمپنی کے مقاصد تجارتی تھے اس لیے اس نے شاہ اودھ سے چپس لاکھ روپیہ لے کر الہ آباد اس کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

۵۔ انگریز ہر ایسے طبقے اور گروہ کو تباہ و برباد کرتے چلا ہوا تھا جس میں آزادی و خود مختاری کی ذرا سی خواہش تھی۔ اس سلسلے میں روسیہ کے ساتھ لاکھ بہادر اور غیور رہیلے ہسٹنگز کی آنکھوں میں کھشک رہے تھے۔ چنانچہ

اس نے اس بہادر قوم پر حملہ کر کے ان کی بستیوں جلا دیں یہ تک ذبح کر دیے
اور جوان عورتوں کی عصمت کو دل کھول کر لوٹا۔ اس واقعہ کے متعلق لارڈ مینٹلے
لکھتا ہے :-

” ایک لاکھ زہیدہ وطن چھوڑ کر خانہ بدوش بن گیا اور بے
وطنی کی حالت میں ان لوگوں نے بعض اوقات اپنی عورتوں کی
عصمت بیچ کر ایک وقت کی روٹی حاصل کی۔ ان کے بچے ذبح کر دیے
گئے اور دیہات کو آگ لگا دی گئی۔“

(کمپنی کی حکومت باری صفحہ ۱۱۴)

اور پھر لطف یہ کہ اس حملے کا خدج (چالیس لاکھ روپیہ) نواب اودھ سے
زبردستی وصول کیا گیا۔

۶۔ ہسٹنگز نے رشوتیں لینے اور سودے چکانے کے لیے نند کمار کو مقرر
کر رکھا تھا۔ جب ہسٹنگز کروڑوں روپے لے چکا اور اسے افشائے
راز و خطرہ پیدا ہو گیا تو اس نے نند کمار کو کوئی بہانہ بنا کر سولی پر لٹکا دیا۔
۷۔ ۱۷۸۹ء میں مرہٹوں پہ حملہ کر دیا۔ یہ جنگ ایک معاہدے سے ختم ہوئی۔
لیکن جلد ہی انگریزوں نے اس معاہدے کی دھجیاں ہوا میں بکھیر دیں اور
بلا اشتعال دوبارہ حملہ کر کے بہت کچھ کمالیا۔

۸۔ ریاست میسور پر حیدر علی کی حکومت تھی ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے میسور
پر اچانک ہلہ بول دیا جس میں سخت شکست کھائی اور جھک کر صلح
کر لی اس معاہدہ کی پہلی اور بنیادی شرط یہ تھی کہ اگر ہم میں سے کسی ایک پر حملہ

ہوا تو ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے دو برس بعد مرہٹوں نے میسور پر حملہ کر دیا حیدر علی نے انگریزوں کو بار بار اس کا معاہدہ یاد دلایا لیکن صاحب بہادر نے سنی ان سنی ایک کر دی۔

۹۔ بنارس کا راجہ چیت سنگھ ہر سال بائیس لاکھ روپیہ بطور خراج کمپنی کو ادا کرتا تھا کیوں؟ اس سوال کا جواب مؤرخ نہیں دے سکتا تھا۔
 ۱۷۷۸ء میں ہسٹنگز نے راجہ سے پانچ لاکھ مزید رقم طلب کی اور دوسرے سال پھر اسی رقم کا مطالبہ ہوا راجہ نے رقم تو ادا کر دی لیکن ساتھ ہی لاکھ صاحب کو مل کر دو لاکھ روپیہ کا چٹڑھاوا بھی چٹڑھایا اور درخواست کی کہ آئندہ اس بوجھ سے مجھے معاف کیا جائے کچھ عرصہ بعد لاکھ صاحب کو کسی علاقے پر چٹڑھاوا کی ضرورت پیش آئی اس سلسلے میں راجہ چیت سنگھ کو لکھا کہ اس مقدس کام کے لیے دو ہزار سپاہی تم بھی پیش کرو اور ایسا احمق سپاہی کہاں سے ملے جو دوسروں کی خاطر خون بہاتا پھرے چنانچہ بڑی مشکل سے راجہ صاحب ایک ہزار سپاہی بھیج سکے اس گستاخی پر لاکھ صاحب کی چتون پر بل پڑ گئے فوراً راجہ صاحب پر پچاس لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیا اور اس رقم کو وصول کرنے کے لیے فوج بھی بھیج دی بے بس راجہ شاہی چھوڑ کر بھاگ نکلا اور لاکھ صاحب نے اس کے ایک خور و سال بھتیجے کو چالیس لاکھ روپیہ لے کر گدی پر بٹھا دیا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ یہ رقم ہر سال ہماری خدمت میں پہنچتی رہے۔

۱۰۔ ۱۷۸۱ء میں شاید کمپنی کو کسی سوردے میں خسارہ ہوا اسے پورا کرنے کے لیے شاہ اودھ سے پچتر لاکھ روپیہ کا مطالبہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ رقم وصول

کرنے کے لیے فوج بھیج دی اس فوج نے حرم میں داخل ہو کر بیگمات کے زیور جس وحشیانہ طریقے سے نوچے یہ ایک زہرہ گداز داستان ہے۔

۱۱۔ لارڈ کارنوالس (گورنر جنرل از ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۳ء) نے چپکے سے بیسویں پہ حملہ کر دیا اور بنگلور ہتھیالیا۔ آخر نواب اور کمپنی کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے رُوسے آدمی ریاست کمپنی کو چلی گئی اور ساتھ ہی لاش صاحب نے نواب صاحب سے (کہ انہوں نے مقابلہ کیوں کیا) تین کروڑ تیس ہزار روپیہ بطور تادان لے لیا۔

۱۲۔ بچے کھچے رُوبیے روہیلکھنڈ میں پھر جمع ہو گئے تھے اور صاحب بہادر کے مفاد کو پھر ایک وہی خطرہ پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ۱۸۶۴ء میں سر جان شور نے انہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے دوبارہ قدم رنجہ فرمایا اور بقدر ظرف خوں ریزی کی۔

۱۳۔ اسی زمانے میں شاہ اودھ (آصف الدولہ) کی وفات ہو گئی اور اس کے جائز وارث وزیر علی دین (آصف الدولہ) نے مسند سنبھال لی آصف الدولہ کا بھائی سعادت علی سر جان شور کی خدمت میں پہنچا دس لاکھ نقد کا تذرانہ اور الہ آباد کا قلعہ پیش کیا چنانچہ وزیر علی معزول ہو گیا اور سعادت علی شاہ اودھ بن گیا۔

۱۴۔ سلطان ٹیپو کی شجاعت و غیرت کی داستانیں سارے ہندوستان میں مشہور تھیں یہ واحد فرماں روا تھا جو انگریزوں کی مکار یوں سے آشنا اور ان کے دام سے گریزاں تھا جب ویلزی ۱۸۵۸ء میں گورنر جنرل بن کر ہند میں

وارد ہوئے تو انہوں نے آتے ہی ٹیمپو کے اختیصال کے لیے زبردست جنگی تیاری شروع کر دی۔ ٹیمپو صاحب بہادر کے ارادوں سے بے خبر تھا۔ چنانچہ ایک روز اچانک اس پہ پہلے بول دیا۔ ٹیمپو نہایت بے جگری سے لڑا لیکن کہاں تک آخر مدافعت میں شہید ہو گیا۔ انگریز کے نو شیردانی انصاف نے اس خاندان کو سیادت سے محروم کرنا پسند نہ کیا۔ چنانچہ سہولت کار کے لیے ریاست کے کچھ اضلاع نظام پہ فروخت کر ڈالے بندر کاہن خود سنبھال لیں اور شہید ٹیمپو کے پنج سالہ بچے کو وارث سلطنت قرار دے دیا لیکن پبلک کے اصرار پر ریاست کا نظم و نسق اپنے دست انصاف پسند ہی میں رکھا۔

• ۱۵۔ چونکہ تمام کالے لوگ جرائم پیشہ ہوتے ہیں اس لیے لارڈ دویلنے

۱۳ مئی ۱۸۹۹ء کو کرناٹک کے نواب کو اس کے جرائم سے آگاہ کیا اور

پھر اس کی ریاست پہ قبضہ کر لیا۔ پانچ ماہ پیشتر اسی بنا پر وہ سورت کے نواب کو معزول اور اس کی ریاست پہ قبضہ کر چکے تھے۔

• ۱۶۔ ۷ اگست ۱۸۲۳ء کو قلعہ احمد نگر اور ۲۹ اگست کو علی گڑھ پہ قبضہ

کر لیا۔

• ۱۷۔ ۲۲ ستمبر ۱۸۰۴ء کو کمپنی کی افواج دہلی میں داخل ہو گئیں۔

• ۱۸۔ یکم اگست ۱۸۲۳ء کو برما کے خلاف اعلان جنگ اور ۱۵ مارچ ۱۸۲۴ء

کو رنگون پہ قبضہ کر لیا۔ ہندوستانی سپاہی مذہباً بھری سفر کے قائل نہ

تھے جب برما کی جنگ میں ایک ہندوستانی کمپنی کو برما جانے کا حکم ملا اور اس

کمپنی نے مذہبی رکاوٹ کا ذکر کیا تو صاحب بہادر نے ساری کمپنی کو فوراً

گولی مار دی۔

۱۹۔ اس تمام دوران میں سکھ انگریزوں کے ساتھ رہے اور انگریز موقع بے موقع خالصہ دربار کی شان میں قصائد مدحیہ بھی پڑھتے رہے لیکن جب وہ باقی ریاستوں اور دربار واپسی کا قضیہ نپٹا چکے تو پنجاب کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ سکھوں پر پہلا حملہ ۱۸۴۸ء میں کیا لیکن ”قیام امن“ کے لیے جھٹ صلح کر لی اور تبلیغ پار کی تمام سکھ ریاستوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ چھٹیر چپاڑ جاری رہی۔ یہاں تک کہ ۱۸۵۳ء میں سارا پنجاب انگریز کے قبضے میں چلا گیا اور سر جان لارنس پنجاب کا پہلا گورنر مقرر ہوا۔

۲۰۔ ہندوستان سے فارغ ہونے کے بعد افغانستان کی باری آئی۔ انگریز کو خطرہ تھا کہ کہیں ان کہساروں سے پھر کوئی غزنوی، غوری، یا ابدالی نہ اٹھ پڑے۔ چنانچہ انہوں نے انیسویں صدی کے آغاخان میں سرملیکم کو سفیر ایران بنا کر بھیجا۔ بایں ہدایات کہ وہ ایران و کابل کو لٹرانے کی انتہائی کوشش کرے۔ یہ دونوں ممالک تو آپس میں نہ لڑے لیکن وہ افغانستان کے شاہی خاندان میں رقابت کی آگ بھڑکانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس آگ کو مزید ہوا دینے کے لیے ۱۸۰۹ء میں الفنسٹن کو سفیر کابل بنا کر روانہ کیا گیا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے یہاں تک کہ ۱۸۳۳ء میں انگریز نے افغانستان پر حملہ کر کے اپنے ایک چھوٹی معزول شجاع کو تخت پر بٹھا دیا۔ نظم و نسق پہ خود قبضہ کر لیا اور انگریزی افواج غزنی، قندھار، جلال آباد اور کابل میں متعین کر دیں۔ اس حملے میں انگریزوں نے حسب معمول کابل کے بازار جلادے۔ نہتوں پہ بے دریغ تلوار چلائی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاہی حرم کی

آبروریزی کی، اس پر غیور افغانیوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے موقعہ پا کر انگریزی امیر الافواج مسٹر میلنٹن اور سولہ ہزار گورہ سپاہیوں کو قتل کر دیا اور صرف ایک گورہ یہ کہانی سنانے کے لیے پشاور میں زندہ واپس آیا۔ ۱۸۴۲ء میں انگریز بھپھر کابل پہ چڑھ دوڑے پھر بازار جلائے اور اس مہم کا تمام خرچ ”نوابان سندھ“ سے زبردستی وصول کیا۔

۲۱۔ ۱۸۴۱ء میں انگریزوں کی توجہ سندھ کی طرف مبذول ہوئی، مسلسل حملوں کے بعد سارا صوبہ زیر نگیں کر لیا، نوابوں کو جلا وطن کر دیا اور بعض حرم سراؤں میں گھس کر بیگمات سے نہ صرف زیورہ چھین لیے بلکہ ان کے بدن سے کپڑے بھی نوچ لیے اور انہیں برہنہ کر کے بے حد سوا کیا۔

۲۲۔ سید طفیل احمد منگلوری اپنی تصنیف ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“ میں بیان کرتے ہیں کہ آغاز میں انگریز ہندوستانی بچے چرا کر ادھر ادھر بیچ آتے تھے ۱۸۴۳ء میں صرف ایک انگریز نے دو ہزار بچے بیچے، یہ لوگ تاجر تھے اور تجارت کے لیے نہایت اچھے طریقے استعمال کرتے تھے، یعنی جب خام اجناس کے ذخائر منڈی میں آتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ ویسی سوداگر اس وقت تک منڈیوں میں قدم نہ رکھیں جب تک کمپنی کے سودے ختم نہ ہو لیں۔ نیز جب تک کمپنی کی اجناس بک نہ جائیں، تمام دیگر دکاندار اپنی دکانیں بند رکھیں۔

اس طریقے سے کمپنی روپے کی چیز پیسے میں خریدتی اور دس روپے پہ فروخت کرتی تھی۔

کمپنی کا یہ قاعدہ تھا کہ جس ریاست میں نواب یا راجہ کے مرنے کے بعد جائز وارث (بٹیا) موجود نہ ہوتا، اس پر خود قبضہ کر لیتی۔ اس طرح کمپنی نے محض ۷۷ سے ۷۸ میں پندرہ ریاستیں ہتھیالیں۔ ان ریاستوں کے ورثا مر کیسے گئے۔ سنو نہ ایک راز ہے۔

۲۳۔ انگریز کا کام صرف قتل عام اور وار دگیری نہ تھا بلکہ وہ تبلیغ عیسائیت پر بھی پوری توجہ صرف کر رہا تھا۔ کمپنی کے ایک ڈاکٹر مسٹر چارلس گرانٹ نے ۱۸۹۳ء میں ایک کتاب لکھی جس میں کھلم کھلا اقرار کیا کہ لوگوں کو تعلیم دینے سے ہمارا مقصد تبلیغ عیسائیت ہے۔

۱۸۹۶ء میں مدراس کے گورنر اور ڈاکٹر سر رشتہ تعلیم نے کمپنی کو لکھا کہ سکولوں میں انجیل پڑھائی جائے۔

جن مقامات پر عیسائی سکول موجود تھے وہاں کوئی اور سکول کھولنے کی اجازت نہ تھی۔

سر چارلس ٹریوینن آئی سی ایس نے ۲۸ جنوری ۱۸۵۴ء کو دارالامرا کے سامنے ہندوستان کے واقعات بیان کرتے ہوئے فخر سے کہا۔

”ہماری پالیسی کے نتائج یہ ہیں کہ گورنمنٹ

در سگا ہوں سے بھی اتنے ہی عیسائی پیدا ہو رہے

جتنے مشنری در سگا ہوں سے۔“

۲۴۔ سندربن کے انگریز ہائی کمشنر نے ۱۸۶۹ء میں اعلان کیا کہ سرکاری ملازمتوں میں جہاں دیسیوں کو بھرتی کرنے کی ضرورت پیش رہے وہاں صرف ہندوؤں

کو مقرر کیا جائے۔

۲۵۔ صوبہ پنجاب کے ڈائریکٹر مسٹر رینیلڈ نے اپنی رپورٹ برائے سال ۱۸۵۶ء میں لکھا کہ پنجاب کے دیہاتی مدارس میں مدرس عمومیا مسلمان ہیں اس رجحان کو فوراً روکنے کی ضرورت ہے اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۰ء کی فہرست اساتذہ میں کسی مسلمان ٹیچر کا نام تک موجود نہیں تھا۔

۲۶۔ بنگال کے ایک انگریز آئی سی ایس مسٹر ڈی بیو ٹیٹراپنی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ میں ایک باب باس عنوان باندھتے ہیں۔

باب چہارم

انگریزی حکومت کے ماتحت مسلمانوں سے نا انصافیاں

یہ باب بے انصافیوں کی ایک طویل داستان ہے مثلاً مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ۔

ہم نے ان پر باعزت زندگی کا دروازہ بند کر دیا۔

ہم نے قاضیوں کی برطرفی سے ہزار ہا خاندانوں کو مبتلائے آفات کر دیا۔ ہم

نے مسلمانوں سے مذہبی فرائض پورے کرنے کے ذرائع چھین لیے۔ ہم نے

ان کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑے

تعلیمی سرمائے کا غلط استعمال کیا۔ ہم نے بنگال میں قدم رکھا تو

مسلمانوں کے ملازموں کی حیثیت سے لیکن اپنی فتح و نصرت کے وقت ان کی مطلق

پر وانی نہیں کی۔ بلکہ اپنے سابق آقاؤں کو پاؤں تلے روندنا۔ (صفحہ ۱۲۳-۱۲۴)

آگے لکھتے ہیں۔

”جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہوتے یا ہائی کورٹ کے جج بنتے ہیں

(صفحہ ۲۳۷)

ان میں ایک بھی مسلمان نہیں“

”جب جیل خانے کی ایک رو غیر اہم اسامیوں کے بغیر ہندوستان کے یہ

سابق نائج اور کسی ملازمت کی امید نہیں رکھ سکتے۔“

۱۸۷۱ء میں ہنگام کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب کیا تھا جدول

ذیل ملاحظہ ہو۔	آسامی	مسلم	غیر مسلم
۱ •	مکونش سول سروس	x	۲۶۰
۲ •	دیوانی افسر	-	۴۷
۳ •	ای اے سی	-	۳۳
۴ •	ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ	۳۰	۱۹۶
۵ •	سب جج	۸	۳۹
۶ •	منصف	۲۷	۱۸۹
۷ •	پولیس افسر	x	۱۰۹
۸ •	انجینئر	-	۱۷۳
۹ •	پی ڈبلیو ڈی۔ آؤٹس	-	۷۶
۱۰ •	ڈاکٹر	۴	۱۵۲
۱۱ •	محکمہ تعلیم سروس اور کسٹم آفیسرز	x	۲۱۴
	میزان	۶۹	۱۶۶۰

(صفحہ ۲۳۲)

” ۱۸۵۱ء سے پہلے پٹنہ وکالت پر مسلمان قاضی تھے۔ رفتہ رفتہ انگریز

نے یہ حالت کمزوری کہ ۱۸۵۱ء میں جب لاء کالج کا داخلہ شروع ہوا تو کالج میں دو

سوائس ہیں ہندو اور صرف ایک مسلمان داخل کیا گیا۔“ (صفحہ ۲۴)

کہاں تک سناؤں یہ ایک نہایت دردناک اور طویل کہانی ہے چونکہ انگریزوں نے ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ مسلمانوں کو بھوکا مار کر ذلیل و رسوا کر دیا جائے تاکہ ان میں تخت ہندو پس لینے کا جذبہ تک باقی نہ رہے اور سب بہرے قلمی اور خالص بن کر آزادی و حریت کے جذبات عالیہ سے یکسر خالی ہو جائیں۔ انگریزوں کے یہی وہ اقدامات تھے جن کا نتیجہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس انقلاب میں ہندو و مسلم سب نے یکساں حصہ لیا تھا۔

مجھے جناب مرزا صاحب کے دعوائے نبوت سے اختلاف سہی لیکن ان کے بہت سے مسائل سے متفق ہوں۔ مثلاً ان کی اخلاقی تعلیم و تبلیغ از بس مؤثر و پاکیزہ ہے وہ تمام اقوام کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ضعیف احادیث کے رطب و یابس سے دامن بچا کر چلتے ہیں۔ وہ ائمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کے قائل ہیں۔ وہ مظاہر کائنات میں غور و فکر کا درس دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ انگریزوں کے مکر و فن سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس قوم کو چودھویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ سمجھتے تھے۔

جب حکومت نے ایکٹ نمبر ۱۳ مجریہ ۱۸۸۹ء کے رُوسے بڑے بڑے شہروں اور چھاؤنیوں میں گورنر سپاہیوں کی خاطر طوائف خانے قائم کیے۔ تو جناب مرزا صاحب نے اس بد اخلاقی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھا۔

” آخر یہ قبول کیا گیا کہ گوروں کا بازاری عورتوں سے ناجائز تعلق ہو۔ کاش
اگر اس کی جگہ منفعہ ہوتا تو لاکھوں بندگانِ خدا زنا سے بچ جاتے۔“

(آریہ دھرم صفحہ ۶۹)

نیز مشورہ دیا:۔

” کمانڈر انچیف افواجِ ہند کو یہ بھی انتظام کرنا چاہیے کہ بجاٹے، ہندوستانی
عورتوں کے یورپین عورتیں ملازم رکھی جائیں۔ ————— مخالفین کا سب
سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ ہندوستان کی غریب عورتوں کو دلالہ عورتوں کے ذریعہ
سے اس فحش ملازمت کی ترغیب دی جاتی ہے۔“ (آریہ دھرم صفحہ ۷۱)

اللہ کا ایک ”رسول“ ان اقدامات کو کیسے پسند کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے
انگریزی اخلاق کی تصویر ان الفاظ میں پیش فرمائی۔

غیر قوموں کی تقلید نہ کرو۔ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں اور جیسے سانپ
مٹی کھاتا ہے۔ انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور
کُتے مُردار کھاتے ہیں انہوں نے مُردار پر دانت مارے وہ خدا سے بہت
دور جا پڑے۔ انسانوں (حضرت مسیح ذغیرہ) کی پرستش کی بھنریر کھایا
اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔

(کشتی نوح صفحہ ۲۰)

یہی نہیں بلکہ انہیں دجال اور یاجوج ماجوج قرار دیتے ہوئے قوم کو ان
کے فتنے سے خبردار کیا۔

راہوں سے محنت۔ بلا فقر اور فاقہ بھی ان کے بعض انتظامات کی وجہ سے دیں گے
لوگوں کو پکڑا جائے گا۔ اگر یہ دونوں حالتیں بہشت اور دوزخ کے نمونے نہیں
ہیں تو اور کیا ہیں؟ (ازالہ ص ۲۸)

ان دس علامتوں میں سے ایک بھاری علامت دجال معمود کی یہ لکھی ہے
کہ اس کا فتنہ تمام ان فتنوں سے بڑھ کر ہوگا کہ جو ربانی دین کے مٹانے کے لیے ابتدا
سے لوگ کرتے آئے ہیں۔ ہمارے نبی صلعم نے کھلے کھلے طور پر ریل
گاہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چونکہ یہ عیسائی قوم کا ایجاد ہے جن کا امام اور مقتدی
یہی دجالی گروہ (پادری) ہے (ازالہ ص ۳۱)

”اور اس زمانہ (ظہور مسیح موعود) عیسائی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور عیسائی
مذہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔“
(شہادۃ القرآن ص ۱)

یہی قوم (عیسائی) وہ آخری قوم ہے جس کے ہاتھ سے طرح طرح کے
فتنوں کا پھیلنا مقدر تھا جس نے دنیا میں طرح طرح کے ساحرانہ کام دکھائے اور جیسا
کہ لکھا ہے کہ دجال نبوت کا دعوے کرے گا۔ نیز خدائی کا دعوے بھی اس سے ظہور
میں آئے گا یہ دونوں باتیں اس قوم سے ظہور میں آگئیں۔ نبوت کا دعوے اس طرح پر
کہ اس قوم کے پادریوں نے بڑی گستاخی سے نبیوں کی کتابوں میں دخل بے جا کیا اور
ایسی بے باکانہ مداخلت کی گویا وہ آپ ہی نبی ہیں۔۔۔۔۔۔ اور خدائی کا
اس طرح یہ دعوے کیا کہ خدائی کاموں میں حد سے زیادہ دخل دیا اور چاہا کہ زمین و آسمان

میں کوئی بھی ایسا مجید نہ۔ بے جو وہ اس کی تہ تک نہ پہنچ جائیں اور ارادہ کیا کہ خدا تعالیٰ کے کاموں کو اپنی مٹھی میں لے لیں اور ایسے طو۔ سے خدائی کی کل ان کے ہاتھ میں آجائے کہ اگر ممکن ہو تو سورج کا غروب اور طلوع اور بارش کا ہونا نہ ہونا بھی ان کے ہاتھ میں آجائے۔“
(شہادۃ القرآن ص ۲۱)

”اس قوم کے علماء حکمائے دین کے متعلق وہ فتنے ظاہر کیے جس کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا اس دم پائی نہیں جاتی یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ وہ (دجال) قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔“
(شہادۃ القرآن ص ۲۲)

”گر وہ دجال شر الناس ہے۔“

(تحفہ گوٹرو یہ ص ۳۲)

”فتنۃ نصاریٰ ایک سیل عظیم ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔“
(تحفہ گوٹرو یہ ص ۱۱)

یہ حدیث (دجال والی) ایک ایسی قوم کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے افعال سے دکھلا دیں کہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور خدائی کا بھی۔ نبوت کا دعویٰ اس طرح پر کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں میں تحریف کریں گے۔ اب خدائی دعویٰ کی بھی تشریح سیے۔ اور وہ یوں ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ ایجاد اور صنعت اور خدائی کے کاموں کی کئی معلوم کرنے میں اس قدر حریف ہوں گے کہ گویا خدائی کا دعویٰ کر رہے

آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے میں کس قدر کوشاں تھے۔ پادریوں کو تنخواہ سرکاری خزانے سے ملتی تھی۔ جمہوریہ پاکستان سے پہلے کے سرکاری گزٹ دیکھئے۔ وہاں آپ کو محبشریوں کی طرح پادریوں کی تبدیلیاں اور تقرریاں بھی ملیں گی۔ شاہ انگلستان جب تاجپوشی کے وقت حلف اٹھاتا ہے تو وہ یوں شروع کرتا ہے۔

” میں شاہ انگلستان شہنشاہ ہند۔ آسٹریلیا وغیرہ و محافظین

مسیحی قسم کھاتا ہوں۔“

انگریز گورنروں نے ہر زمانے میں نہ صرف تبلیغ عیسائیت کے لیے آسانیاں فراہم کیں۔ بلکہ دعوائے غیر جانبداری کے باوجود عیسائیت کی ہر طرح سے سرپرستی کی مسیحیت قبول کرنے والوں کو مختلف اعزازات سے نوازا۔ انہیں نوکریاں، زمینیں اور کرسیاں عطا کیں اور باقیوں کو استحقاق کے باوجود بارہا نظر انداز کر دیا۔ اس حقیقت سے ہر شخص آگاہ ہے کہ جس تبلیغ کے پیچھے شاہی جلال نہ ہو وہ تبلیغ بہت کم کامیاب ہوتی ہے۔ آدھا کام مشنری کرتے ہیں اور آدھا حکومت یہی وجہ ہے کہ جناب مرزا صاحب نے دجال کے دعوائے نبوت میں پادریوں کو اور دعوائے خدائی میں ان کے فرماں رواؤں کو شامل کر کے دجال کو مکمل کر دیا ہے۔ دجال مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کارپردازان سلطنت کو دجال کا اہم جزو نہ سمجھا جائے اور خصوصاً ایسے کارپرداز جن کا مقصد تو وسیع سلطنت کے ساتھ ساتھ وسیع عیسائیت بھی تھا۔

اس سلسلے میں خود مرزا صاحب ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

تو یہ تھا اس دجال اکبر کا وہ فتنہ عظیمہ جس کے استیصال کے لیے ”مسیح موعود“
مبعوث ہوئے۔

مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے
پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو جن میں خنزیریوں کی
بے شرمی اور خوکوں کی بے حیائی و نجاست خوری ہے۔ ان پر
دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کرے گا۔
(ازالہ ج اول طبع دوم حاشیہ ص ۳۴)

”مسیح کا خاص کام کسر صلیب اور قتلِ دجال اکبر ہے۔“

(انجام آتھم ص ۴۷)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب نے اس دجال اکبر کو جس کا فتنہ
کائنات کا سب سے بڑا فتنہ تھا جس نے گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان
میں لوٹ مار۔ دھوکہ فریب۔ بد عہدی۔ سازش۔ عیاشی اور فتنہ کا طوفان اٹھا رکھا
تھا جس نے مسلمانوں کی سلطنت چھین کر ان سے رزق کے تمام وسائل بھی چھین
لیے تھے جس نے درباروں اور دفتروں سے مسلمانوں کو بیک بینی و دوگوش باہر
نکال دیا تھا جس نے لاکھوں ہندوستانیوں کو عیسائیت کی گودیں کھیل دیا تھا جس نے
ہمارے بلیسیوں حرم خانوں میں داخل ہو کر بیگیت کے کپڑے تک توجہ لیے تھے
اور جس میں ”خنزیریوں کی بے شرمی اور خوکوں کی نجاست و بے حیائی“ پائی
جاتی تھی کس طرح قتل کیا۔

ایک شر سے محفوظ رکھے اور اس کے دشمن کو ذلت کے ساتھ پسپا کرے۔۔۔۔۔
 میں پہچانتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا
 کام ہے۔۔۔۔۔ اسلام کے دوحسے ہیں ایک یہ کہ خدا تعالیٰ کی
 اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو۔ جس نے ظالموں
 کے ہاتھ سے اپنے سایہ میں ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت سلطنتِ برطانیہ ہے
 سو اگر ہم گورنمنٹِ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا
 اسلام، خدا اور رسول سے سرکشی کرتے ہیں (یہ عجیب و جال ہے جس کی اطاعت
 خدا اور رسول کی اطاعت ہے۔۔۔۔۔ برقی)
 جب ہم ایسے بادشاہ کی صدقوں سے اطاعت کرتے
 ہیں تو گویا اس وقت عبادت کر رہے ہیں۔
 (شہادۃ القرآن گورنمنٹ کی توجہ کے لائق ص ۳۱)

”گورنمنٹ انگلشیہ (یعنی دجال) خدا کی نعمتوں سے ایک
 نعمت ہے یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے۔ یہ سلطنت مسلمانوں
 کے لیے آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے۔“
 (شہادۃ القرآن گورنمنٹ کی توجہ کے لائق ص ۱۲)

”ہمارا جان و مال گورنمنٹ انگریزی کی خیر خواہی میں فدا ہے
 اور ہوگا اور ہم غائبانہ اس کے اقبال کے لیے دعا گو ہیں۔“

(آریہ دھرم ص ۸۱)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دجال کے ”علما و حکما نے وہ فتنے ظاہر کیے جن کی نظیر حضرت آدم سے لے کر تا ایندیم نہیں پائی جاتی“ اور اب بھی ملاحظہ ہو۔
 ”یہ گورنمنٹ کس قدر دانا اور دور اندیش اور اپنے تمام کاموں میں با احتیاط ہے اور کسی کسی عہدہ تدبیر رفاہ عام کے لیے اس کے ہاتھ سے نکلتی ہیں اور کیسے کیسے حکما اور فلاسفر یورپ میں اس کے زیر سایہ رہتے ہیں۔“
 (آریہ دھرم ص ۶۹)

احادیث میں مذکور ہے کہ آنے والے مہدی کے پاس تلوار ہوگی اس تلوار کی تشریح جناب مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔
 ”مطلب یہ ہے کہ اگر (لوگوں کو) گورنمنٹ برطانیہ کی تلوار سے خوف نہ ہوتا تو (وہ لوگ) اس (مسیح موعود) کو قتل کر ڈالتے۔“
 (نشان آسمانی ص ۱۹)

یعنی بجائے اس کے کہ مسیح موعود دجال کو قتل فرماتے اٹا اس کی تلوار کو اپنا محافظ سمجھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اگر دجال کی تلوار نہ ہوتی تو مولوی لوگ آپ کو قتل کر ڈالتے اس کی مزید تشریح اس وحی میں ملاحظہ ہو۔
 ”(اے مسیح موعود) آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ (یعنی دستِ شفقت) تھا۔“

(اربعین نمبر ۳ ص ۴۵)

اس حقیقت سے کون آگاہ نہیں کہ محکومی دنیا کی سب سے بڑی ذلت ہے
اور یہ ذلت کسی قوم کی سالہا سال کی بدکاری کی سزا ہوتی ہے قرآن میں بار بار وحی
ہے کہ اللہ کے بندے ہمیشہ زمین کے وارث اور فرماں روا رہے ہیں اور دوسری
طرف بدکار و سیه کار لوگ ذلیل و محکوم۔

” ہمیشہ کی محکومی جیسی کوئی ذلت نہیں اور دائمی ذلت

کے ساتھ دائمی عذاب لازم پڑا ہوا ہے۔“

(تختہ گوثر و یہ ص ۱۰۶)

دنیا میں ہر رسول اپنے پیروں کو زمینی بادشاہت اور اخروی جنت کی
بشارت سنانے آتا ہے یہ آج تک نہیں ہوا کہ کسی رسول نے آزادی نہ غلامی کو ترجیح
دی ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو غلامی کی غلامی کی کہیں تعلیم نہیں
دی تھی حضرت موسیٰ کی ساری زندگی فرعون کے خلاف جہاد میں بسر ہوئی تھی۔
ہمارے حضور علیہ السلام بارہ چھوٹی بڑی جنگوں میں بنفس نفیس شامل ہوئے تھے
اور آپ کے صحابہ نے قیصر و کسریٰ کے ایوان استبداد کو بنیادوں تک کھود ڈالا تھا خود
جناب مرزا صاحب کو بھی مسلمانوں کی محکومی کا بے حد رنج تھا خطبہ الہامیہ میں انگریز کی
درازدستیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الَاتْرُونَ قَتْنِ الْقَوْمِ الَّذِينَ هُمْ مِنْ كُلِّ حَدْبٍ يَنْسِلُونَ
وَقَدْ جُعِلْتُمْ تَحْتَ أَقْدَامِهِمْ زَكَاةً مِنَ اللَّهِ ثُمَّ أَنْتُمْ
لَا تَرْجِعُونَ ۝

(خطبہ الہامیہ ص ۷۹-۸۰)

د کیا تم ان انگریزوں کا قتلہ نہیں دیکھتے جو ہر راستے سے
 بھاگے آرہے ہیں ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے دابلیا
 ہے یہ علامی کتنا بڑا عذاب ہے تم کیوں اللہ کی طرف واپس نہیں آتے،
 پھر پڑھیے ”ان لوگوں نے تمہیں اپنے پاؤں کے نیچے دابلیا ہے یہ علامی کتنا
 بڑا عذاب ہے“ اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھئے۔

”ہم پر اور ہماری ذریت پر فرض ہو گیا کہ اس مبارک
 گورنمنٹ برطانیہ کے ہمیشہ شکر گزار رہیں۔“

(ازالہ طبع دوم حاشیہ ص ۵۶)

اگر مسلمان ہمیشہ اس فرض کو پورا کرتے رہیں تو پھر وہ انگریز لگے بوٹ
 کے نیچے سے کیسے نکلیں گے اور وہ علامی کا عذاب کیسے ٹلے گا۔
 تاریخ کا ادنیٰ سا طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان
 میں آکر ہم سے سولہ لاکھ مربع میل پہ پھیلی ہوئی سلطنت چھینی اس کے بعد ہم سے
 زمینیں لیں پھر تمام سرکاری ملازمتوں اور درگاہوں کے دروازے ہم پر بند کئے
 ہمارے ہزار ہا قصبات کو معزول کر کے شرعی فیصلوں سے ہمیں محروم کیا۔ خود مرزا
 صاحب کی تصریح کے مطابق یہاں زناخانے کھولے جگہ جگہ شراب خانے جاری کئے
 ہر طرف خنزیروں کی بے حیائی اور سوڑوں کی بے شرمی و نجاست خوری کا منظر پیش کیا
 اور تعجب یہ کہ اللہ کا ایک رسول اس صورت حال پہ نہ صرف الہیہاں الہمینان کرتا ہے
 بلکہ اسے اسلام کے احیائے ثانی کے لیے ضروری قرار دیتا ہے۔

اسلام کی دوبارہ زندگی انگریزی سلطنت کے امن بخش سائے سے پیدا

ہوئی ہے۔ (ترویاق القلوب ص ۲۸)

وہ کس قسم کا اسلام تھا جو ان بے حیا خنزیریوں اور نجاست خور خوکوں
کے ظلِ عاطفت میں پروان چڑھتا رہا۔

انبیاء کی طویل تاریخ میں جناب مرزا صاحب پہلے رسول ہیں جنہوں نے قوم
کو غلامی کا درس دیا۔ اور غلامی بھی دجال اکبر کی۔ انبیا تو رہے ایک طرف مجھے کسی
قوم کا کوئی ایک ادیب فلسفی سیاسی رہنما یا عالم دکھائیے جس نے غلامی پہ ناز کیا ہو
میرا یہ دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کسی قوم میں ایک بھی ایسا
عالم یا ادیب پیدا نہیں ہوا اور نہ اب کرہ ارض پہ کہیں موجود ہے جو آزادی پہ غلامی کو
ترجیح دیتا ہو۔ جو لیثروں کی سلطنت کو رحمتِ ایزدی سمجھتا ہو اور جو آزادی کے نام
تک سے مرزاں ہو۔ کسی انگریز کی ایک تقریر کہیں پڑھی تھی۔ اپنی غیور اور وطن دوست
قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

دہم حصولِ شان کسبِ دولت اور فراہمی اعزازات کے لیے نہیں لڑتے بلکہ
صرف قوم و وطن کی آزادی کے لیے لڑتے ہیں اور آزادی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس

سے کوئی شریف انسان اپنی زندگی میں جدا نہیں ہو سکتا۔

اور دوسری طرف جب میں جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں انگریز کی تعریف اور قوم کو سدا غلام رہنے کی تلقین دیکھتا ہوں تو حیرت میں کھو جاتا ہوں کہ وہ **أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ** والا رب یہ کیا کر رہا ہے قرآن میں ہمیں سلطنت و وراثت کا درس دیتا رہا اور پھر ایک رسول بھیج کر غلامی و ذلت کا وعظ شروع کر دیا آخر یہ معاملہ کیا ہے۔ خدا بدل گیا ہے اس کی سنت بدل گئی ہے یا غلامی کا مفہوم بدل گیا ہے؟

احمدی بھائیو! کیا آپ میں سے کوئی شخص سدا غلام رہنا پسند کرے گا۔ کوئی ایسا ہے جسے اپنے وطن سے محبت نہ ہو۔ کوئی ہے جو اپنے وسائل معاش اپنی ملازمتوں اپنی زمینوں یہاں تک کہ اپنے ضمیروں پر بھی دوسروں کا قبضہ دیکھنا چاہتا ہو؟ اگر کوئی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ساری کائنات میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہم نوا موجود نہیں۔

جناب مرزا صاحب کی تقریباً ایک چوتھائی تحریرات اطاعت فرنگ کے درس پر مشتمل ہیں۔ چند اور اقوال ملاحظہ ہوں۔

”میری نصیحت اپنی جماعت کو یہی ہے کہ وہ انگریزوں کی

بادشاہت کو اپنے اولی الامر میں داخل کریں اور دل کی سچائی سے ان

(ضروریۃ الامام ص ۲۳)

کے مطیع رہیں۔“

”میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ

ہو تو۔

ع خیزواندر حلقہ درسم نشین

جس فقر نے شاہوں کی طرف نگاہ تک اٹھانا تو ہین نگاہ سمجھا تھا آج
اس فقر کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آستان شاہی پہ تیسے و نگاہ کی بھیک مانگ رہا ہے
جب مذکورہ بالا یاد دہانی کے باوجود سفید فام آقاؤں کی طرف سے کوئی جواب نہ
ملا تو جبریل آیا اور کہا۔

”قیصر ہند کی طرف سے شکریہ گورنر جنرل کی پیش گوئیوں کے
پورا ہونے کا وقت آگیا۔“ (حما مۃ البشری ج ۲ ص ۵۷)

اس قسم کی تحریرات پر جناب ”خلیقۃ المسیح الثانی“ نے مندرجہ ذیل
تصرہ فرمایا ہے۔

”مسیح موعود علیہ السلام نے فخر یہ لکھا ہے کہ میری کوئی کتاب
ایسی نہیں جس میں میں نے گورنمنٹ کی تائید نہ کی ہو مگر مجھے افس
ہے کہ میں نے غیروں کو نہیں بلکہ احمدیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہمیں
مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریریں پڑھ کر شرم آتی ہے۔“
(الفضل ۷ جولائی ۱۹۳۲ء)

”اگر ہم دوسرے ممالک میں تبلیغ کے لیے جائیں تو وہاں بھی
برٹش گورنمنٹ ہمازی مدد کرتی ہے۔“

(برکات خلافت از میاں محمود احمد صاحب ص ۶۵)

(اخبار امان و فغانِ کابل ماخوذ از الفضل ۳ مارچ ۱۹۲۵ء)
 ۱۸-۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں ترکوں کو متواتر شکستیں ہوئیں۔ اس پر جو کچھ
 الفضل نے لکھا اور جناب میاں محمود احمد صاحب نے کہا۔ اس کی ایک
 جھلک ملاحظہ ہو۔

” حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں..... کہ گورنمنٹ

برطانیہ میری تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو اس فتح (فتح بغداد) پر
 کیوں خوشی نہ ہو۔ عراق عرب ہو یا شام۔ ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی جھلک
 دیکھنا چاہتے ہیں..... دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ
 کے دو فرشتے تھے جن کو گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا
 تھا۔“ (الفضل ۷ ستمبر ۱۹۱۸ء)

دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ ”وہابی اکبر“ کی امداد کے لیے فرشتے بھی
 اتارتا رہا۔

” تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ روسی برابر ترکی
 علاقے میں گھستے چلے جاتے ہیں..... اللہ تعالیٰ ظالم
 نہیں اس کا فیصلہ درست اور راست ہے اور ہم اس کے فیصلہ
 پر رضا مند ہیں۔“ (الفضل ۱۷ نومبر ۱۹۱۴ء)

۲۷ نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکوں کی مکمل شکست پر قادیان میں زبردست چہراغاں
 کیا گیا۔ جشن ہوئے اور
 یہ پُر لطف اور مسرت انگیز نظارہ بہت موثر اور خوش نما تھا اور اس

سے احمدیہ پبلک کی اس عقیدت پہ خوب روشنی پڑتی ہے جو اسے گورنمنٹ برطانیہ سے ہے۔
(الفضل ۳، دسمبر ۱۹۱۸ء)

لیکن جب مصطفیٰ کمال رحمۃ اللہ علیہ کی شمشیر خوار اشکاف نے انگریزوں کو بیک بینی و دوگوش ترکی سے نکال باہر کیا۔ اور تمام دنیا نے اسلام نے زبردست جشن منائے اور اس موقع پر کسی احمدی بھائی خلیفۃ المسیح سے دریافت کیا کہ ترکوں کی فتح کی خوشی میں روشنی وغیرہ کے لیے چندہ دینے کا کیا حکم ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔

” روشنی وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔“

(الفضل ۷، دسمبر ۱۹۲۲ء)

جب خلیفۃ المسیح نے مولوی محمد امین کو روس میں مبلغ بنا کر بھیجا تو وہ وہاں گرفتار ہو گیا۔ کیوں؟ خود مبلغ کی زبانی سنئے۔

چونکہ سلسلہ احمدیہ اور برٹش گورنمنٹ کے باہمی مفاد

ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اس لیے جہاں میں اپنے سلسلے کی تبلیغ

کرتا تھا وہاں لازماً مجھے انگریزی گورنمنٹ کی خدمت گزار

کرنی پڑتی تھی۔
(الفضل ۲۸، دسمبر ۱۹۲۳ء)

یہ اقتباسات تو آپ نے پڑھ لیے۔ لیکن وہ بنیادی سوال ہنوز حل طلب

ہے کہ مسیح موعود نے دجال کو کس طرح قتل کیا؟

۱۔ کیا دجال کی دنیوی شان و شوکت کم کر دی ہے؟ جواب نفی میں ہے۔

۴ کیا دلائل سے پادریوں کو شکست دے کر لوگوں کو عیسائیت سے بد دل کر دیا۔ جواب زبردست نفی میں ہے اس لیے کہ عیسائیت سیلاب کے دھارے کی طرح اس سرزمین میں پھیلتی اور بڑھتی رہی۔

جناب مرزا صاحب کے قلم عموماً عیسائیوں آریوں

آریہ سماج کی تعداد

اور اہل حدیث (مولوی ثناء اللہ امرتسری کاغزنوی)

خلدان کے خلاف چلتا رہا۔ آریہ مردم شماری کے رجسٹرات میں دیکھیں کہ مرزا صاحب ان دجالوں کے قتل کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔

سوامی دیانند نے آریہ سماج کی بنیاد ۱۸۷۵ء میں ڈالی تھی سوامی صاحب

صرف آٹھ برس تبلیغ کرنے پائے تھے کہ ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گئے۔ پہلی مردم

شماری ۱۸۸۱ء میں ہوئی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں کسی ہندو نے اپنے آپ کو آریہ درج

نہ کرایا۔ بعد کے اعداد اس جدول میں دیکھئے۔

آریوں کی تعداد پنجاب میں

سال	تعداد
۱۸۹۱	۱۴۰۳۰
۱۹۰۱	۱۳۰۰۰
۱۹۱۱	۱۰۰۸۴۶

اس دہا کے میں ۸۷ ہزار

کا اضافہ ہوا۔

پنجاب میں اہل حدیث کی تعداد

۱۸۹۱	—	۳۶۰۴
۱۹۰۱	—	نامعلوم
۱۹۱۱	—	۸۹۰۸۳

بیس برس میں ۸۶ ہزار کا اضافہ ہوا۔

پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد

سال	تعداد
۱۸۸۱	۲۸۰۵۴
۱۸۹۱	۴۸۴۷۲
۱۹۰۱	۶۶۵۹۱
۱۹۱۱	۱۹۹۷۵۱

تیس برس میں تقریباً پونے دو لاکھ کا اضافہ صرف پنجاب میں ہوا۔

مت بھولے کہ جناب مرزا صاحب کی نبوت کا زمانہ بھی یہی تھا۔ ۱۹۱۱ء میں ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ایک لاکھ چونسٹھ ہزار تھی۔ باقی انگریز تھے۔

پورے ملک (ہند) میں اشاعت عیسائیت کی رفتار یہ تھی۔

ہندوستان میں عیسائیوں کی تعداد

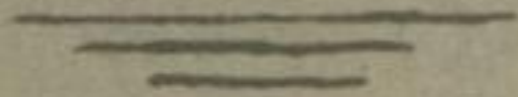
۱۸۸۱	۱۸۶۲۶۳۴
۱۸۹۱	۲۲۸۴۲۸۰
۱۹۰۱	۲۹۲۳۲۴۱
۱۹۱۱	۳۸۷۶۲۰۳

تیس سال میں بیس لاکھ چودہ ہزار کا اضافہ

ہر بات کو من و عن پیش کر رہا ہوں۔ بایں امید کہ اگر میں غلطی پہ پہوں تو اصلاح
 فرمائیے اور اگر آپ کے تصورات میں کوئی خامی ہو تو دور کر کے گلے مل جائیے۔
 میرا مقصد نیلج اختلاف کو پاٹنا اور آپ سے ملنا ہے، میں غلط ہوں تو مجھے
 بلا لیجئے ورنہ تشریف لے آئیے۔

مع

اے خوش آن روز کہ آئی وہ صد ناز آئی



مسئلہ جہاد

آپ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ تقریباً نصف قرآن تعلیم جہاد پر مشتمل ہے۔ جہاد کے بغیر کوئی قوم ایک گھنٹے کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ دنیا اشرار و فجار سے لبریز ہے۔ یہاں بیسیوں اقوام ایسی موجود ہیں جو دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتیں۔ گزشتہ ساٹھ برس سے فرانس برابر برکاش کے سینے پر سوار ہے۔ بعض اقوام مغرب مدت سے چین اور جاپان شرق الہند کی دولت کو سمیٹ رہی ہیں۔ انگریز مدت سے عراق، ایران اور مصر کے وسائل دولت پہ قابض ہے اور یہ محض اس لیے کہ یہ کمزور اقوام دانت کے بدلے دانت توڑنے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

مہاتما گاندھی کا فلسفہ عدم تشدد اور جناب مرزا صاحب کا اصول عدم جہاد اسی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے کہ اقوام عالم کا ہر فرد بے حد بھلے مانس مرتجان و مرج صابر و قانع اور انصاف پسند بن جائے چونکہ دنیا کے اڑھائی ارب انسانوں کو اس قسم کے سانچے میں ڈھالنا ناممکن ہے اور چونکہ قدم قدم پر ہمارا واسطہ بدکاروں، جفاکاروں اور ظالموں سے پڑتا ہے اس لیے بچاؤ کے لیے کم از کم اتنا سامان اپنے پاس رکھنا ضروری ہے کہ جس سے دشمن مسلح ہو۔ اگر دشمن کے پاس برین گن ہو تو آپ

صرف لائھی سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے، اسی حفاظت کا دوسرا نام جہاد ہے
اسلام نے مندرجہ ذیل صورتوں میں جہاد کی اجازت دی ہے۔

• اول :- جب کوئی ظالم تمہیں ہدف ستم بنائے۔
اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَأْسَهُمْ تَطْلِمُوا ۝
(مظلوموں کو جہاد کی اجازت دی جاتی ہے)

• دوم :- جب کوئی بلاوجہ حملہ کر دے۔
وَقَاتِلُوا الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۝
(حملہ آوروں سے لڑو، لیکن حد سے نہ بڑھو)

• سوم :- ضعیفوں، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے۔
مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمُ أَهْلُهَا ۝
(تم کیوں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں
کرتے جو تنگ آکر دہائی دیتے ہیں کہ اے رب ہمیں اس بستی سے نجات دے جہاں
کے باشندے بڑے ظالم واقع ہوئے ہیں)

• چہارم :- قیام امن کے لیے برسرِ سلطنت میں آئے دن چند شورش پسند اٹھ کر
امن و امان کو تہ و بالا کر دیتے ہیں ایسے لوگوں سے لڑنا بھی فرض ہے۔
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ۝

(تم اس وقت تک لڑو کہ ملک سے بد امنی دور ہو جائے)

ان چار صورتوں کے علاوہ اسلام نے کسی اور تنازعہ میں جہاد کی اجازت نہیں دی، جناب مرزا صاحب کا یہ اشیاء تو درست ہے کہ تبلیغ مذہب کے لئے تلوار کا استعمال ناجائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جہاد کو مطلقاً حرام کر دیا جائے۔ مرزا صاحب بار بار فرما چکے ہیں کہ قیامت تک قرآن کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہوگا۔

” ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماویہ ہے اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔“ (ازالہ طبع دوم ص ۵۹)

تو پھر جہاد کو حرام کرنے کا جواز کہاں سے نکلتا ہے اور وہ بھی انگریز کے خلاف جس نے تمام ممالک اسلامی کو یکے بعد دیگرے تباہ کیا۔ پچاس کھرب روپیہ سے زیادہ کی دولت زبردستی چھین لی۔ پچاس سے زیادہ تخت لے چکا۔ لاکھوں عصمتوں کا دامن چاک کیا۔ کروڑوں انسانوں کو شراب و عیاشی کا خوگر بنایا۔ فریاد کیا ایسی قوم کے خلاف تلوار اٹھانا جائز نہیں کیا انہیں اجازت ہے کہ یہ ایران کو لوٹیں، عراق کی دولت گھسیٹ کر گھر لے جائیں، سات لاکھ عربوں کو فلسطین سے باہر دھکیل دیں، مصر کے یہ مستقل خطرہ بنے رہیں اور ان کے ریڈ کلف اور مونٹ بیٹن پاکستان کو ہمیشہ مصائب میں مبتلا رکھیں؟ اور مظلوم کو یہ بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنا بچاؤ تک کر سکے۔

یہ درست کہ انگریز کے زمانے میں ان کے خلاف اعلان جہاد خلاف

مصلحت تھا۔ اس لیے کہ ہمارے پاس ٹوٹی ہوئی لاکھی بھی نہیں تھی لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ جو بات عارضی طور پر خلاف مصلحت ہو وہ حرام ہو جاتی ہے حضورؐ کے لیے مکی زندگی میں جہاد خلاف مصلحت تھا حرام نہیں تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی بعض تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جہاد کو مطلقاً حرام سمجھتے تھے۔ مثلاً۔

میں نے مخالفت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو سچا پس الہامیاں بھر سکتی ہیں میں نے ایسی کتابیں تمام ممالک عرب اور مصر اور شام، کابل اور روم تک پہنچادی ہیں۔ میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمان اس سلطنت کے سچے خیر خواہ ہو جائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور جہاد کے جوش دینے والے مسائل جو احمقوں کے دلوں کو خراب کرتے ہیں ان کے دلوں سے معدوم ہو جائیں۔

(ترویاق القلوب ص ۲۷-۲۸)

اقتباس بالا میں ممانعت جہاد اور اطاعت انگریزی کو یوں جوڑ دیا گیا ہے گویا جہاد صرف انگریز کی خاطر حرام کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی فہم سے بالاتر ہے کہ انگریزی حکومت نے امن تو ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ اس کے خلاف جہاد یہاں حرام تھا۔ بھلا عراق و ایران کے مسلمانوں کو ممانعت جہاد اور اطاعت انگریز کا درس دینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟ عراق و شام پر ترکوں کی حکومت تھی۔ پھر انہیں ترک جہاد کا مشورہ کیوں دیا گیا۔ اگر آپ یہ جواب دیں

کہ مسیح موعود ساری دنیا کے لیے تھے اس لیے وہ ترکوں کو ترک جہاد کا مشورہ دینے میں حق بجانب تھے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ ساری دنیا میں انگریز بھی شامل تھے آپ نے انگریز کو کیوں یہ مشورہ نہ دیا۔ جناب مرزا صاحب کی آنکھوں کے سامنے انگریز نے شہنشاہِ دہلی کے دو شہزادوں کو بازار میں گولی سے ہلاک کیا شہنشاہ کو برہما میں محبوس کیا۔ کابل کی آزادی چھینی مھر کو تاخت و تاراج کیا۔ سوڈان میں قیامت بپا کی۔ اور جناب مرزا صاحب نے اپنی بہتر ضخیم کتابوں میں اس کے متعلق ایک احتجاجی سطر تک نہ لکھی اور نہ اسے ترک جہاد کا وعظ سنایا۔ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ مسیح موعود نے ترک جہاد کی تلقین صرف مسلمانوں کو کیوں کی اور جب روس و انگریز کی جنگ ہونے لگی تو ان دونوں کو جہاد سے نہ روکا ہے۔ کوئی جواب؟؟؟

سوال۔ کیا واقعی انگریز کی خاطر جہاد حرام کیا گیا تھا؟

جواب۔ ”گورنمنٹ انگلشیہ خدائی نعمتوں سے ایک نعمت

ہے۔ یہ ایک عظیم الشان رحمت ہے یہ سلطنت مسلمانوں کے لیے برکت کا حکم رکھتی ہے۔ خداوند رحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کے لیے بارانِ رحمت بھیجا۔ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرتا قطعی حرام ہے۔“

(شہادت القرآن ضمیمہ ص ۱۲)

جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے حضرت موسیٰ کے زمانے میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان نہ لانا بھی قتل سے بچا نہیں سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل

کیے جاتے تھے پھر ہمارے نبی صلعم کے وقت میں بچوں بوڑھوں
اور عورتوں کو قتل کرنا حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کے لینے بجائے
ایمان کے صرف جزیہ قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود
کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

(اربعین نمبر ۲ جاشیہ ص ۱۵)

اگر جہاد قطعی موقوف ہو چکا ہے تو پھر آدھا قرآن منسوخ ہو گیا اگر
آپ یہ فرمائیں کہ اشاعت اسلام کے لیے جہاد حرام ہے تو میں پوچھتا ہوں
کہ یہ جائز کب تھا کیا حضور علیہ السلام یا آپ کے صحابہ کرام یا بعد کے
روشن خیال سلاطین نے کوئی ایک آدمی بھی بنو رستم شیر مسلمان بنایا تھا
اگر نہیں تو پھر آپ نے وہ کون سی چیز حرام کی جو پہلے جائز تھی جواز جہاد کی
صرف چار صورتیں ہیں۔

- ۱۔ قیام امن
- ۲۔ مدافعت
- ۳۔ مقابہ ظلم
- ۴۔ حمایت مظلوم

یہ چاروں صورتیں مذہبی و دینی ہیں ہر صورت کو اللہ نے اپنی راہ
(فی سبیل اللہ) کہا ہے جو کوئی بھی ان چار صورتوں میں تلوار اٹھائے گا وہ
گویا مذہب کے چند اہم اصولوں یعنی قیام امن حمایت مظلوم وغیرہ کی حفاظت
کر رہا ہوگا ہر ایسا جہاد دینی مذہبی روحانی اور فی سبیل اللہ کہلائے گا اسلام

میں کوئی ایسا جہاد موجود ہی نہیں جس کا مقصد ملک گیری نوآبادیات کا حصول یا معدنی و زرعی دولت پر قابض ہونا ہو۔ جب قرآن کی تلوار ہے ہی دینی و روحانی اور اخلاقی تو پھر اس شعر کا کیا مطلب؟

اب چھوڑ دو جہاد کا اسے دوستو خیال
دین کے لیے حرام ہے اب جنگ و قتال

(جناب مرزا صاحب)

”دین کے لیے حرام ہے“ تو کیا بے دینی کے لیے جائز ہے ایران اور جزائر شرق الہند کے روغنی چشموں کے لیے حلال ہے؟ دوسروں کو غلام بنا کر ان کی بیگمات کے کپڑے نوچنے کے لیے روا ہے؟ اگر نہیں تو پھر مسیح موعود نے انگریزوں کو اس دھاندلی سے کیوں نہ روکا؟ حیرت ہے کہ انگریز کا جہاد تجوریاں بھرنے کے لیے جائز اور ہمارا جہاد اپنی مدافعت یا کسی مظلوم کی حمایت کے لیے حرام ہے؟

بہت اچھا صاحب! جہاد حرام سہی لیکن یہ کیا بات ہے کہ حضرت مرزا صاحب انگریز کی راہ میں جان چھڑکنے اور خون تک بہانے کے لیے تیار نظر آتے ہیں جہاد تو ہو گیا حرام پھر خون کس کھاتے میں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود سے مواخذہ نہیں کرے گا کہ تم نے جہاد کو حرام قرار دینے کے بعد انگریز کی خاطر کیوں جہاد کیا؟ اپنا خون کیوں بہایا؟ اور ہماری وحی کی مخالفت کیوں کی؟

حضرت مرزا صاحب نے ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو گورنر پنجاب کی خدمت

میں ایک عرضی بھیجی جس کا مضمون یہ تھا:-

..... جیسے جیسے میرے مرید بڑھیں گے ویسے ویسے
مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح و ہندی مان
لینا ہی مسئلہ جہاد کا انکار کرنا ہے غرض یہ
ایک ایسی جماعت جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ ہے
..... صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار
..... اس خود کاشتنے پودہ کی نہایت احترام اور احتیاط
اور تحقیق اور توجہ سے کام لے اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ کرے
کہ وہ بھی اس خاندان (حضرت مرزا صاحب کا اپنا خاندان) کی ثابت
شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو
خاص عنایت کی نظر سے دیکھیں۔ ہمارے خاندان نے سرکار انگریزی
کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے فریق نہیں کیا اور نہ اب
فرق ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص ۱۸)

جب کابل کے ساتھ ۱۹۱۹ء میں (انگریزی) ٹرائی (امان اللہ
خان کے خلاف) ہوئی تب بھی ہماری جماعت نے
علاوہ اور کئی قسم کی خدمات کے ایک ڈبل کمپنی پیش کی
خود ہمارے سلسلہ کے پانی کے چھوٹے صاحبزادے نے
اپنی خدمات پیش کیں اور چھ ماہ تک ٹرانسپورٹ کور میں آنریری طور پر
کام کرتے رہے۔ (جماعت احمدی کا سپا سنامہ نجات)

کیا آپ خون بہاتے وقت مسیح موعود کی ساری تعلیم کو روند جائیں گے
 بہر حال یہ جذبہ بڑا جوان مردانہ ہے۔ یہ مذہبی غیرت و حمیت پر شریف انسان ہیں
 بیونی چلیے اور ضرور ہونی چاہیے۔ اس لیے میرا یہ عاجزانہ مشورہ ہے کہ آپ
 اپنے اس مشورے پر جو آپ نے علم الدین کے سلسلے میں دیا تھا نظر ثانی فرمائیں۔
 وہ مشورہ دوبارہ درج ہے۔

وہ نبی بھی کیسا نبی ہے جس کی عزت بچانے کے لیے
 خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں۔۔۔۔۔ اور جوان کی پیٹھ
 ٹھونکنا ہے وہ بھی قوم کا دشمن ہے۔“

باقی کہانی آپ کو معلوم ہوگی کہ ان آتشیں خطبات سے متاثر ہو کر ۱۳
 اپریل ۱۹۳۱ء کو ایک نوجوان احمدی محمد علی نے مولوی عبدالکریم اور ان کے
 ساتھی محمد حسین پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ عبدالکریم گھائل ہوئے اور محمد حسین ہلاک
 ملزم ۱۴ مئی ۱۹۳۱ء کو سپرد دار ہوا۔ اس کے جنازہ کو خود خلیفۃ المسیح نے
 کندھا دیا اور وہ نوجوان نہایت احترام سے بہشتی مقبرہ میں مدفون ہوا۔
 قرآن کی فطری تعلیم کے خلاف چلنا بہت مشکل ہے۔

اور درست فرمایا تھا جناب میاں محمود احمد صاحب نے۔
 ”بہیں تو حضرت مسیح موعود نے خستی کر دیا ہے۔ مگر ساری دنیا تو
 خستی نہیں۔“

(الفضل ۲ جنوری ۱۹۳۵ء)

(آٹھواں باب)

صداقت کے چار معیار

جناب مرزا صاحب نے اپنی صداقت کے چار معیار مقرر فرمائے ہیں۔
 ان کی تفصیل آپ ہی کی زبان سے سنئے۔
 خدا تعالیٰ نے قرآن کریم چار عظیم الشان آسمانی
 تاثیروں کا کامل مومنوں کے لیے وعدہ دیا ہے۔ اور وہی کامل
 مومن کی شناخت کے لیے کامل علامتیں ہیں۔ اور یہ ہیں۔
 • اول۔ یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں۔
 • دوم۔ یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور عجیبہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اس
 کی ذات یا اس کے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو
 کچھ دنیا میں قضا و قدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہور
 پر جو کچھ تغیرات آنے والے ہیں۔ ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی
 جاتی ہے۔

• سوم۔ یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔
 • چہارم۔ یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے وقائع و معارف جدیدہ و
 لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔

(آسمانی فیصلہ ص ۱۳)

”خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔ خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے۔ خدا نے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر مقبولیت رکھی ہے۔۔۔۔۔۔ خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔“

(تحفہ گولڑویہ ص ۹)

مذاقت کے چار معیار معین کرنے کے بعد جناب مرزا صاحب نے (آسمانی فیصلہ ص ۱۴) میں علمائے اسلام کو چیلنج دیا ہے کہ وہ آئیں اور ان چار باتوں میں ان کا مقابلہ کریں۔

امیر اول و دوم پیش گوئیوں کے ضمن میں آتے ہیں اس لیے ان کے متعلق ”پیشگوئیوں“ کے باب میں بحث کی جائے گی۔ یہاں صرف امر سوم و چہارم کے متعلق عرض کیا جائے گا۔

قبولیتِ دعاء

حقیقتہً الوحی اور چند دیگر لقائیف میں جناب مرزا صاحب نے چند ایسی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے جو قبول ہوئی تھیں لیکن ایک غیر جانب دار حلق کے پاس ایسے وسائل موجود نہیں جن سے کام لے کر وہ پتہ چلا سکے کہ آیا حقیقتہً وہ دعائیں قبول ہوئی تھیں یا نہیں۔ ایسی دعاؤں کا تعلق ایسے مقامی یا غیر مقامی لوگوں سے تھا جو آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور نہ وہ کوئی ایسی شہادت، تحریر وغیرہ چھوڑ گئے ہیں

جس سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں اس میں شبہ نہیں کہ احمدی بھائیوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جنہوں نے مرزا صاحب کو دیکھا اور ان کی دعاؤں سے بھی فائدہ اٹھایا لیکن دنیا کی کوئی عدالت ان کی شہادت کو غیر جانبدارانہ قرار نہیں دے سکتی اس لیے یہ شہادتیں ایک یقین انگیز فیصلہ پہ پہنچنے کے لیے مفید نہیں۔

جناب مرزا صاحب کی کتابوں میں صرف دو ایسے واقعات ملتے ہیں جو دعا کے سلسلہ میں معرض بحث بن سکتے ہیں ایک کا تعلق مولانا ثناء اللہ (مرزا) سے ہے اور دوسرے کا ڈاکٹر عبدالحکیم سے۔ مولوی ثناء اللہ مرزا صاحب کے سرگرم مخالفین میں سے تھے اور ڈاکٹر صاحب مدتوں جناب مرزا صاحب کے حلقہ ارادت سے وابستہ رہے اور آخر میں منحرف ہو گئے۔

جناب مرزا صاحب نے بشاراتِ فہم قرآن قبول دعا کے سلسلے میں علما کو چیلنج دیا تھا کہ وہ آئیں اور

مولوی ثناء اللہ

مقابلہ کریں اس چیلنج کو وہ بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۲ء میں مولوی ثناء اللہ مقابلہ میں اثر آٹے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں کوئی اور صاحب بھی مد مقابل ہوئے ہوں لیکن قلتِ معلومات کی وجہ سے ہم کوئی اور مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں مولوی صاحب نے یہ چیلنج کس طرح قبول کیا اس کی تفصیل خود جناب مرزا صاحب سے سنئے۔

میں نے سنایا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی

تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ درخواست کرتا ہے کہ میں (ثناء اللہ) اس طور کے فیصلے کے لیے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی

ہی میں مرجائے پس ہمیں کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج
 دیں کیونکہ ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے، مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی
 موت قتل کے رُوسے واقع نہ ہو، بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو،
 مثلاً طاعون سے یا ہیفینہ سے یا اور کسی بیماری سے تا ایسی کارروائی
 حکام کے لیے تشویش کا موجب نہ ٹھہرے اور ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں
 گے کہ ایسی موتوں سے فریقین محفوظ رہیں صرف وہ موت کاذب کو
 آدے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔

(اعجاز احمدی ص ۱۴۰)

چیلنج ہو گیا۔ جناب مرزا صاحب نے موت کی صورت متعین فرمادی ساتھ ہی
 ان الفاظ میں چیلنج کو منظور کر لیا۔

”ان کا چیلنج ہی فیصلہ کے لیے کافی ہے۔“

پھر سلسلہ دعا کا بھی آغاز ہو گیا۔

”ہم دعا کرتے رہیں گے کہ وہ موت کاذب کو

آدے جو بیماری کی موت ہوتی ہے۔“

نیز یہ شرط عائد کر دی کہ چیلنج ایک پوسٹر کی صورت میں ہونا چاہیے جس
 کے نیچے پچاس آدمیوں کے دستخط ہوں۔ آیا ایسا کوئی پوسٹر مولوی شہار الد کی
 طرف سے شائع ہوا تھا یا نہیں۔ ہمیں علم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ جناب مرزا
 صاحب نے مولوی صاحب کے اس ارادے ہی کو کافی سمجھا اور فرمایا:-

مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کے لیے چیلنج کروں

کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین۔ مگر اے میرے کامل اور
 صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے
 حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں
 کہ میری زندگی میں ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ
 طاعون ہیضہ وغیرہ امراضِ مہلکہ سے۔۔۔۔۔ میں دیکھتا ہوں
 کہ مولوی ثناء اللہ۔۔۔۔۔ اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا
 ہے جو تو نے اے میرے آقا اور میرے بھیننے والے اپنے ہاتھ سے
 بنائی ہے۔ اس لیے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ
 کر تیری جناب میں ملتی ہوں کہ مجھ میں اور مولوی ثناء اللہ میں سچا
 فیصلہ فرما اور جو درحقیقت تیری نگاہ میں مفسد اور کذاب ہے اس
 کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھالے۔۔۔۔۔

(اشتہارِ محرمہ ۵، اپریل ۱۹۰۷ء مندرجہ تبلیغ رسالت

جلد دوم صفحہ ۱۲)

قادیان کے ایک اخبارِ بدیع میں جناب مرزا صاحب ککروڑیہ
 ڈائری شائع ہوا کرتی تھی۔ اسی تاریخ کی ڈائری میں یہ فقرہ بھی تھا۔
 ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا۔ یہ دراصل ہماری طرف سے
 نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی۔

(اخبارِ بدیع قادیان ۵، اپریل ۱۹۰۷ء)

اس اشتہار میں کسی پوسٹر کی شرط نہیں تھی۔ بلکہ جناب مرزا صاحب

ہیضہ تھا یا نہیں۔ اس کا فیصلہ اطباء چھوڑتا ہوں۔ یہاں تو یہ دیکھنا ہے کہ آیا جناب مرزا صاحب کی دعا،

”اور وہ جو تیری نگاہ میں درحقیقت مفسد اور کذاب ہے
اس کو صادق کی زندگی میں دنیا سے اٹھالے۔“

قبول ہوئی یا نہیں؟

اگر ہوئی ہے تو پھر سچا کون ہوا؟

احمدی بھائیو! یہ ٹھوس واقعات ہیں جنہیں تاریخ کے اوراق سے
مثایا نہیں جاسکتا تاویلوں سے نفس کو بہلایا جاسکتا ہے لیکن حقیقت تبدیل
نہیں ہو سکتی۔ آپ حضرات میں ایک خاصی تعداد وکیلوں، پروفیسروں،
مجسٹریٹوں اور ججوں کی ہے۔ پروفیسر اور جج کا کام ہی تلاش حقیقت ہے سوچئے
اور ڈھونڈیے شاید حقیقت وہ نہ ہو جو آپ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب اور مولوی اسماعیل علی گڑھ
والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا
اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا
میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے۔ اور اس طرح پر آپ کی موت

مولانا شاد اللہ صاحب کی وفات ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔

نے فیصلہ کر دیا کہ کاذب کون تھا۔

(اربعین نمبر ۱ ص ۱۱)

”میں نے ڈپٹی آتھم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمی کے
رُوبرُور یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا
سو آتھم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔“

(اربعین نمبر ۲ ص ۱۳)

اب ذرا یہ اقتباس پھر شپے سے۔

اے میرے پیارے مالک اگر یہ دعویٰ مسیح
ہونے کا محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد
اور کذاب ہوں تو میں عاجزی سے تیری جناب
میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔۔۔۔۔“

ڈاکٹر عبدالحکیم پورے ہیں برس تک

ڈاکٹر عبدالحکیم

جناب مرزا صاحب کے حلقہ عقیدت سے وابستہ

رہا۔ پھر منحرف ہو کر ”المسیح الدجال“ اور ”کانا مسیح“ وغیرہ کے نام سے
کتابیں لکھیں اسی پر لیس نہ کی۔ بلکہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو ایک البام
شائع کر دیا کہ آج کی تاریخ سے تین برس تک مرزا صاحب فوت ہو
جائیں گے اس پر جناب مرزا صاحب نے ایک اشتہار نکالا مضمون یہ :-

”..... (س ڈاکٹر) نے میرا نام کذاب مکار شیطان

و مجال شریر اور حرام خورد کھا ہے اور مجھے خائن شکم پرست نفس
پرست مفسد اور مفتری قرار دیا ہے اس پر
بسی نہیں بلکہ یہ پیش گوئی بھی صد ہا آدمیوں میں
شائع کی کہ یہ شخص تین سال کے عرصے میں فنا ہو جائے گا۔۔۔۔۔ آج
۱۴ اگست ۱۹۰۶ء کو پھر اس کا ایک خط مولوی
نور الدین صاحب کے نام آیا اس میں لکھا ہے
۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو خدا تعالیٰ نے مجھے خبر دی کہ یہ شخص اس تاریخ
سے تین برس تک ہلاک ہو جائے گا۔

اس کے مقابل وہ پیشگوئی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے میاں
عبدالحکیم صاحب کی نسبت مجھے معلوم ہوئی جس کے الفاظ یہ ہیں
”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں وہ
سلامی کے شہزادے کہلاتے ہیں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا فرشتوں
کی کھچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا نہ دیکھا نہ جانا۔
رَبِّ فَرَقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ“
(دعا) اے میرے خدا صادق و کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو جانتا
ہے کہ صادق و مصلح کون ہے۔“

(اشتبہار ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء)

(تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۱۱)

یعنی دو خداؤں میں ٹھن گئی۔ ڈاکٹر کے خدا نے کہا کہ مرزا صاحب ۱۲ جولائی

مطلب یہ کہ ڈاکٹر کا انجام بھی چنانچہ بن کی طرح بھیانک ہوگا یہ الہام
پڑھ کر ڈاکٹر نے اپنے پہلے الہام میں یوں ترمیم کی۔

اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے سہ سالہ مبعاد
میں سے جو ۱۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی ہے دس مہینے اور گیارہ
دن اور گھنٹا دیے اور مجھے حکم جولائی ۱۹۰۶ء کو الہاماً فرمایا کہ مرزا آج سے
چودہ ماہ تک بسراٹھ موت ماویہ میں گرایا جائے گا۔

اس کے جواب میں جناب مرزا صاحب نے ۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو ایک
اشتہار بعنوان تبصرہ شائع کیا جس میں یہ الہام بھی درج تھا۔

اپنے دشمن سے کہہ دے خدا تجھ سے مواخذہ کرے گا اور تیری
عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۶ء سے صرف
چودہ مہینے تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں، یا ایسا ہی دوسرے دشمن
جو پیشگوئی کرتے ہیں، ان سب کو جھوٹا کروں گا۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دہم ص ۱۳۱)

وفات سے چند روز پیشتر جناب مرزا صاحب نے لکھا:

آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خاں
ہے وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ
ہے کہ میں اس کی زندگی میں ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو ہلاک ہو جاؤں گا
اور یہ اس کی سچائی کے لیے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا

ہے۔ مجھے دجال کافر اور کذاب قرار دیتا ہے پہلے اس نے بیعت کی
 اور برابر بیس برس تک میرے مریدوں میں دجال
 رہا اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خدا نے خبر دی ہے
 کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک
 کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا سو یہ وہ مقدمہ ہے جس
 کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا کی نظر
 میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا۔

(چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۱-۳۲۲)

اور چند سال پیشتر جناب مرزا صاحب نے ایک ایسی ہی پیش گوئی کے
 متعلق فرمایا تھا۔

اگر تمہارے مرد اور عورتیں۔ تمہارے جوان اور بوڑھے تمہارے
 چھوٹے اور بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لیے دعائیں کریں
 یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں
 تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا۔
 (اربعین نمبر ۳ ص ۱۶-۱۷)

مقابلہ کی صورت بالکل صاف ہو گئی کہ ڈاکٹر نے کہا جناب مرزا صاحب
 کی وفات ۴ اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے ہوگی مرزا صاحب نے فرمایا کہ اللہ
 نے مجھے لمبی عمر کی بشارت دی ہے نیز کہا ہے کہ۔

انسان اسی وقت انسان ہے جب تک اس کا رشتہ حقیقت سے قائم ہے۔ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو انسانیت اسہرمنیت میں بدل جاتی ہے۔ کون ہے جو حقیقت سے گریزاں اور باطل کا پرستار ہو۔ اگر کوئی ہے تو اسے کہہ دو کہ وہ دنیا میں تنہا ہے اور اس کا کوئی ہم خیال موجود نہیں۔

”قبولِ دعا“ کے دو واقعات آپ نے پڑھ لیے۔ اب چلنے نئے موضوع کی طرف۔

فہم قرآن

قرآن حکیم تمام زمانوں اور تمام قوموں کے لیے جو قیامت تک پیدا ہوں گی مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کے الفاظ میں لچک ہے اور ہونی بھی چاہیے تاکہ ہر زمانے کا انسان خواہ وہ ماڈرن ہو یا الٹرا ماڈرن اپنے ماحول کا عکس اس میں دیکھ سکے۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے تصورات پر یونانی فلسفہ چھا گیا تھا۔ اس فلسفے نے خدا کو عضو معطل بنا کر عرش پر بٹھا دیا تھا۔ امام غزالی اور آپ کے ہم نوا علمائے قرآن سے وہ دلائل استنباط کیں کہ فلاطونی فلسفہ کی ظلمتیں جلوۃ الہام کی تاب نہ لاسکیں اسی طرح ابن العربی کے نظریہ وحدت الوجود اور دیگر بیسیوں فرقوں کے عجیب افکار کی شکست و ریخت کے لیے مفسرین میدان میں اترتے رہے اور غیر اسلامی تصورات کے استنباط میں کامیاب ہوتے رہے۔

قرآن نے ہر ملک اور ہر قوم کے سامنے ایک ایسا نظامِ زلیست پیش کیا جو ان کے فہر سودہ و لبو سبد نظاموں سے پائندہ و تابندہ تر تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی پہنچے، ان کے جدید و غریب افکار پر براہِ راست دل و دماغ پر حملہ آور ہو گئے اور ان مضبوط قلعوں کو انہوں نے فوراً فتح کر لیا۔

کائنات میں حقائق ازل سے موجود ہیں جب یہ حقائق اوہام و ابھیل کے حجابات میں مستور ہو جاتے ہیں تو کوئی دستِ غیب ان پردوں کو ہٹا کر حقیقت کو بھیر بے نقاب کر دیتا ہے اور اسی کا نام تجدد ہے حقیقت ہمیں بدلتی، دواور دو ہر زمانے میں چار رہے ہیں، پانی ہمیشہ ڈھلان کی طرف بہتا رہا اور نور ہمیشہ بلند یوں کی طرف مائل پرواز رہا، البتہ حقائق کی تفسیر سدا بدلتی رہی ایک ہی بات کو پیش کرنے کے مختلف اسالیب ہو سکتے ہیں کوئی ہمت شکن اور کوئی ہمت افزا، مثلاً شاعر نے کہا۔

” افسوس کہ پھول کے پہلو میں کانٹے ہیں “

کس قدر ہمت شکن پیغام ہے فلسفی نے اسی حقیقت کو یوں پیش کیا۔

” خوش ہو جا کہ کانٹوں کے پہلو میں پھول ہیں “

اور فضائے یاس میں امیدوں کے بیسیوں دیپ جل اٹھے مولانا حالی نے قوم کی حالت کا یوں نقشہ کھینچا تھا۔

قلاکت پس و پیش منڈلا رہی ہے

نخوست سماں اپنا دکھلا رہی ہے

لیکن جانی اقبالؒ نے حالی کا ساتھ نہ دیا اور رنگ بدل بدل کر فرمایا۔

ذی انعم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی بعض مفکرین عالم نے
اعلان کیا کہ نسل انسانی مائل بہ زوال و روبہ فنا ہے حکیم مشرق نے فرمایا
عروج آدم خاکی سے انجم پہنچے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارِ میرہ کامل نہ بن جائے

آئے دن کی ٹرائیوں سے اکتائے ہوئے مغربی فلسفیوں نے جمعیت
الاقوام کا نظریہ پیش کیا اور مولانا ابوالکلام آزاد نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں
جمعیت آدم کا پورا نظام سامنے رکھ دیا جب دورِ حاضر میں سرمایہ و اشتراکیت
کے پہاڑ آپس میں متصادم ہونے لگے تو قرآن حکیم نے آواز دی لڑو مت
آؤ میں تم کو راہِ مصالحت بتاؤں۔ شخصی ملکیت جائز۔ لیکن جمع مال ناجائز۔
حصولِ دولت جائز۔ لیکن ضروریات سے وافر (قُلِّ الْعَفْو) پاس رکھنا جائز۔
جب عبد حاضر کا انسان مطالعہ کائنات کی طرف متوجہ ہوا تو قرآن نے
اسے تھپکی دی اور کہا۔ اس راہ پر بڑھے چل کہ قوۃ و ہیبت کے خزانے اور علم و
عرفان کے دفائن میں ملیں گے۔

ماحصل یہ کہ اسلام میں ہمیشہ ایسے مفسر پیدا ہوتے رہے جن کی تفسیر
جدتوں نے کاروانِ حیات کو سمست خراب نہ ہونے دیا اور ایسے مفکر تاقیامت
آتے رہیں گے جو ہر نئی تصویر میں قرآن کا رنگ بھرتے رہیں گے۔ ان پیہم تجارب
کے بعد نسل انسانی قیادتِ الہام کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو جانے کی اور یہ
زمانہ بہت دور نہیں۔

آج تک حقیقت کی جس قدر تفاسیر پیش ہوئیں ان میں سب سے زیادہ

ج دلیل "اثبت علیہم"

د دلیل "خاتم النبیین"

- ۱۰ • وفات مسیح پہ دلائل
- ۲۰ • اپنے نشانات کا ذکر
- ۳۰ • الہام آتھم ولبشارت نکاح کی تاویل
- ۵۰ • الہامات کا اعادہ
- ۶۰ • بعض نشانات کے متعلق کچھ شہادتیں
- ۷۰ • انگریز کی اطاعت
- ۸۰ • حرمت جہاد

جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف میں ان تین چار آیات نبوت کے بغیر قرآن کا کوئی نظریہ یا کوئی اور آیت زیر بحث نہیں آئی جس سے ہم اندازہ لگا سکتے کہ آپ کا علم قرآن کے متعلق کیا اور کتنا ہے۔ ہاں ضمناً دو چار آیات ضرور آئیں۔ لیکن وہ کسی قصبہ تک پہنچانے کے لیے ناکافی تھیں اس سلسلہ میں آپ کی جو تصنیف بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے وہ براہین احمدیہ ہے یہ کتاب اندازاً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں تین چوتھائی حواشی اور ایک چوتھائی متن ہے حواشی میں متفرق مضامین ہیں مثلاً ضرورت الہام مجدد کی ضرورت وغیرہ۔ پھر اپنے الہامات اور متن میں دیگر مذاہب پہ تنقید ترتیب کتاب یہ ہے۔

۱۰ • از چندہ وغیرہ کی اپیل ۱۶ صفحات

۲۰ شرط کہ ایسی کتاب نکھو ۳۴ صفحات

۲۰ آپ کے حالات زندگی ۵۲

۴۰ چندے کی اپیل ۶

۵۰ براہین کی تعریف ۵۲

۶۰ انگریز کی تعریف ۲

اس کے بعد علمی حصہ آتا ہے جس کی زبان اس قدر اچھی ہوئی ہے کہ بار بار پڑھنے پر یہ بھی کچھ پڑے نہیں پڑتا تصوف و منطق کی اصطلاحات کا استعمال کچھ اس طریق سے ہوا ہے کہ ان اصطلاحات کا عالم بھی گھبرا جائے۔ نمونہ ملاحظہ فرمائیے

”اور یہ اصولِ عام جو ہر ایک صادر من اللہ سے متعلق ہے دو طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اول قیاس سے کیونکہ از روئے قیاس مجمع و مستحکم کے خدا کا اپنی ذات اور صفات اور افعال میں واحد لا شریک ہونا ضروری ہے اور اس کی کسی صفت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز نہیں۔“

(براہین ص ۱۴۷)

”اور فوات اس کی ان تمام نالائق امور سے متشرع ہے جو شریک الباری پیدا ہونے کی طرف منجر ہوں۔ دوسرے ثبوت اس دعویٰ کا استقرار نام سے ہوتا ہے جو صادر من اللہ میں نظر تدبر کر کے یہ پایہ ثبوت پہنچ گیا ہے۔“

(ص ۴۹-۵۰)

عیسائیوں کا قول کہ صرف مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت

منتقلب ہو جاتی ہے اور گو کیسا ہی کوئی من مین الخلق قونی سبعیہ یا
قوائے شہوتیہ کا مغلوب ہو یا قوت عقیدہ میں ضعیف ہو وہ قتل حضرت عیسیٰ
کو خدا تعالیٰ کا اکلوتا بیٹا کہنے سے اپنی جبلی حالت چھوڑ جاتا ہے۔
(ص ۱۱)

اسی کتاب میں سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی درج ہے جس پر متسوقانہ
رنگ چڑھا ہوا ہے اور تصوف کے متعلق میں اپنی رائے پیش
کر چکا ہوں۔

ہر فرد کا زاویہ نگاہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے مسلمانوں میں ایسے
لوگ موجود ہوں گے جنہیں یہ تفسیر پسند آئی ہوگی لیکن میرے لیے یہ جاذب توجہ نہ بن
سکی۔ اس لیے کہ میں اسلام کو حرکت و عمل قوت و ہدیت جمال و جلال تسخیر کائنات
و آقای ارض و افلاک کا مترادف سمجھتا ہوں اور جس تفسیر کے آئینہ میں مجھے اسلام
کا یہ چہرہ نظر نہ آئے وہ میرے لیے کوئی دلکشی نہیں رکھتی بہر حال یہ میرا ذاتی نظریہ
ہے اور اس سے اختلاف کی بڑی گنجائش موجود ہے اگر حقیقتاً جناب مرزا صاحب
کی تفسیر میں کچھ رموز و معارف موجود ہیں تو احمدی اہل قلم کا فرض ہے کہ وہ ان
معارف کو سلیس و برجستہ زبان میں پیش کریں تاکہ مجھ جیسے کم علم بھی فائدہ اٹھا سکیں۔
سورہ فاتحہ کے علاوہ جناب مرزا صاحب نے چند اور آیات کی تفسیر بھی
فرمائی ہے جن میں سے آیہ خاتم النبیین آیہ کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا
وَلَوْ تَقَوَّلَ یہ بحث ہو چکی ہے اور باقی ماندہ میں سے چند یہ ہیں۔

اول۔ قرآن میں بار بار ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کسی ایک جہت میں مقید

نہیں بلکہ۔ اَيْنَمَا تَوَلَّوْا فَوَّضْنَا وَجْهَ اللَّهِ ۝

(تم جہدھر بھی منہ پھرو گے اللہ کو سامنے پاؤ گے)

لیکن جناب مرزا صاحب اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

”جہدھر تیرا منہ خدا کا اسی طرف منہ ہے۔“

(تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۶۹)

دونوں ترجموں میں بڑا فرق ہے پہلے کا مفہوم یہ کہ اللہ ہر طرف موجود

ہے اور دوسرے کا یہ کہ خدا تیرے منہ کی طرف دیکھتا رہتا ہے تو جہدھر منہ پھیرے

خدا بھی اسی طرف پھیر لیتا ہے اس ترجمہ سے خدائی توہین کا پہلو نکلتا ہے نیز آیت

کے الفاظ بھی اس تفسیر کے متحمل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ (تَوَلَّوْا) صیغہ جمع ہے

معنی ”جہدھر تم سب منہ پھرو“ اور مرزا صاحب اسے واحد بنا کر معنی کرتے ہیں۔

”جہدھر تیرا منہ“ یہ ”تیرا“ کہاں سے آگیا۔

دوم۔ قرآن حکیم میں حضور علیہ السلام کے کئی غزوات کا ذکر موجود ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۝ (آل عمران)

(اللہ نے تمہیں بدر میں فتح دی حالانکہ تم کمزور تھے)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ يُوفِي حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

كُتُوبُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا (التوبة)

(اللہ نے کئی میدانوں میں تمہاری مدد کی خصوصاً جنگ حنین کے دن

جب تم اپنی کثرت پر معرور ہو گئے تھے وہاں دنیا کی کوئی طاقت تمہیں

شکست سے نہ بچا سکی۔۔۔۔۔)

جنگ احزاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

(اَرْجَاؤُهُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلِ مِنْكُمْ وَادْرَاغَةُ الْاَبْصَارِ
وَبَلْعَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ)

(یاد کرو وہ دن جب کفار ہر بلندی و اُسپتی سے تم پر ٹوٹ پڑے تھے
جب تمہاری آنکھیں فرط خون سے پھپر گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے)
اسی طرح باقی جنگوں کی تفصیل بھی قرآن میں درج ہے لیکن ہماری حیرت

کی انتہا نہیں رہتی جب جناب مرزا صاحب کا یہ قول پڑھتے ہیں۔
” آنحضرت سلیم کا بعد بعثت دس سال تک مکہ میں رہنا اور

پھر وہ تمام لڑائیاں ہونا جن کا قرآن کریم میں نام و نشان نہیں ہے۔
(شہادۃ القرآن ص ۷)

قرآن حکیم میں زلزلہ آخرت کا منظر کئی مقامات پر پیش کیا گیا ہے

ان میں سے ایک مقام یہ ہے۔

اِنَّمَا نُوَدُّوْنَ لَوَاقِعَ فَاِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ وَادَا السَّمَاءُ
فُرْجَاتٍ وَاِذَا الْجِبَالُ سُفِفَتْ وَادَا التُّرُسُ اُقْتَتَتْ لَا تَبْقٰی يَوْمَ
اُجَلَّتْ يَوْمَ الْفَصْلِ ؕ

(جس قیامت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آکر رہے گی اس روز ستارے

بے نور ہو جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا پہاڑ اڑ جائیں گے اور رسول وقت

معین پر جمع کیے جائیں گے انبیاء کا معاملہ کس روز کے لیے ملتوی ہوتا رہا اسی

روز کے لیے جو یوم الفصل یعنی فیصلے کا دن ہے۔)

یہ آیات قیامت کے ذکر سے شروع ہو کر قیامت ہی پہ ختم ہوتی ہیں
درمیان میں علامات قیامت کا ذکر ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس روز انبیاء ایک
خاص وقت پہ میدانِ محشر میں ہوں گے اور ان کے مقدمات پہ غور ہوگا۔
لیکن جناب مرزا صاحب **وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتَتْ ۖ**

کا ترجمہ یہ فرماتے ہیں۔

” اور جب رسول وقت مقرر پہ لائے جائیں گے اور یہ اشارہ
در اصل مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے۔ (شہادت القرآن ص ۲۴)
مسیح موعود کی طرف اشارہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ الرُّسُلُ جمع ہے
اور مسیح موعود کا دعویٰ یہ ہے کہ امت محمدیہ میں صرف ایک رسول پیدا ہوا یعنی
مسیح موعود اور وہ خاتم الخلفاء بھی ہے جب اس امت میں کسی اور رسول کی
بعثت مقدر نہ ہو تو پھر الرُّسُلُ (بہت سے انبیاء) سے ایک مسیح موعود کیسے
مراد لیا جاسکتا ہے قواعد زبان اس تفسیر کی اجازت نہیں دیتے۔
سوم۔ علامات قیامت میں۔ **بِأَكْبَرِ عِلَامَاتٍ نَفْخُ فِي الصُّورِ ۚ**

**وَنَفْخُ فِي الصُّورِ فَصُعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي
الْأَرْضِ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نَفْخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا
هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ۚ**

(جب وہ کرنا پھونکی جائے گی تو ساکنانِ ارض و سما کی چیخیں نکل جائیں
گی۔ اور جب دوسری مرتبہ پھونکی جائے گی تو لوگ قبروں سے نکل کر اِدھر اُدھر
دیکھنے لگیں گے۔)

اس آیت کے متعلق مرزا صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ "کرنا" سے مراد
مسیح موعود ہے (شہادۃ القرآن ص ۲۵) بہت اچھا مسیح موعود سہی لیکن پہلی
پھونک پر اہل زمین و آسمان کے چیخ اٹھنے اور دوسرے پر مردوں کے جی
اٹھنے سے کیا مراد ہے؟ اس کی تشبیہ صحیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

آخری دنوں میں دوزمانے آئیں گے ایک ضلالت کا
زمانہ اور اس میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنی شقی اور سعید پر غفلت
سی طاری ہو جائے گی (لیکن قرآن کے الفاظ یہ ہیں کہ پہلی پھونک پر
اہل زمین و آسمان کی فریادیں نکل جائیں گی اور آپ فرماتے ہیں کہ
غفلت سی طاری ہوگی۔ یہ غفلت اور چیخ کا آپس میں کیا تعلق غفلت
میں تو نیند آتی ہے نہ کہ چیخیں نکلتی ہیں۔ (برقی)

اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آٹے گا۔ پس ناگاہ لوگ کھڑے ہو
جائیں گے۔ (شہادت القرآن ص ۲۶)

ملاحظہ فرمالیا آپ نے جناب مرزا صاحب کا انداز تفسیر۔
• چہاں۔ ازالہ اوہام جلد اول ص ۱۶ پر قرآن کی آیہ ذیل نقل کرنے کے
بعد ایک عجیب ترجمہ کرتے ہیں :-

مَنَارِیْ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدِیْ اَشْوَءٍ عَظْمٰی لَیْعَدُ ذٰلِکَ زَیْمٌ ۝

رنکی کی راہوں سے روکنے والا زناکار اور بایں ہمہ نہایت درجہ کا

بدخلق اور ان سب غیبوں کے بعد ولد الزنا بھی ہے۔
آپ نے اثم کے معنی زناکار اور زنیم کے معنی ولد الزنا کیے

ہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کا مصنف یعنی اللہ اس طرح کی شستہ زبان استعمال کیا کرتا تھا اور کیا کوئی مہذب انسان اس انداز گفتگو کی برداشت کر سکتا ہے؟ آئیے دیکھیں کہ اہل زبان نے ان الفاظ کے کیا معنی بتائے ہیں۔
 اِثِم کا ماخذ ہے اِثْم بمعنی گنہ گار۔ (قاموس و منجد)

قرآن میں اِثْم کا لفظ بیسیوں جگہ استعمال ہوا ہے کہیں بھی زنا کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا مثلاً اِنَّ بَعْضَ الظَّالِمِیْنَ اِثْمٌ ۙ یہ قرآن کی آیت ہے کیا آپ اس کی تفسیر یہ کریں گے کہ بعض ظن زنا ہیں؟ حضور علیہ السلام کا خط شاہ ایران کے نام پڑھیے۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے۔

اگر تم اسلام نہ لائے تو مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہے گا۔
 کیا یہاں بھی گناہ سے مراد زنا ہے؟ اِثِم کے معنی ہیں گنہگار و بس گناہ سیکڑوں ہو سکتے ہیں۔ ان تمام کو چھوڑ کر زنا مراد لینا کسی طرح بھی روا نہیں اسی طرح زَنِم کا ترجمہ ولد الزنا بھی درست نہیں۔ المنجد میں درج ہے۔ الزَنِم : اَللَّیْم (بخیل۔ بد بخت) اَلدَّیْم (مُتَبَخِّی) اَللَّاحِقُ بِقَوْمٍ لَیْسَ مِنْهُمْ وَلَا هُمْ یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهِ ۙ (قوم میں کسی ایسے آدمی کی شمولیت جو اس قوم میں سے نہ ہوا اور نہ قوم کو اس کی ضرورت ہو۔)

منتہی الارب میں مذکور ہے۔

زَنِم کا میر۔ مردے از قومے چسپیدہ کہ نہ از

ایشان بود و لیسر خوانندہ (مبتنی) و ناکس

و سخت فرومایہ و بد خو کہ در ناکسی معروف باشند۔

پس یہ ہیں ز نیم و اٹیم کے معانی لغات عرب میں نہ جانے یہ زنا کار

و ولد الزنا کے مفہام آپ نے کہاں سے لیے۔

• پنجم۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر پروردگار رسول کو خیر الامم کہا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۖ

(تم ایک بہترین قوم ہو جو دنیا کی اصلاح کے لیے اٹھی)

اُخْرِجَتْ : نکالی گئی۔ پیدا کی گئی۔

لِلنَّاسِ : لے لیے۔ ناس۔ انسانوں۔

یعنی انسانوں کے لیے

مطلب یہ کہ مہتار مقصد نوع انسان کی اصلاح و فلاح ہے بات

سیدھی سی تھی۔ لیکن جناب مرزا صاحب نے اس کی وہ تفسیر پیش کی

کہ یہ آیہ معائنہ کر رہ گئی۔ فرماتے ہیں۔

”الناس کے لفظ سے دجال ہی مراد ہے۔“

(ازالہ ج اول ص ۳۲)

یعنی اے مسلمانو! تم دجال کے لیے پیدا کیے گئے ہو کیا مطلب؟

کہ مسلمانوں نے صرف دجال کی اصلاح کرنا ہے؟ یا یہ مطلب ہے کہ ہم سب

دجال کے لیے پیدا ہوئے ہیں وہ جس طرح چاہے ہمیں استعمال کرے۔ آخر

لِلنَّاسِ کا لام برائے انتفاع ہے پھر الناس جمع ہے اور دجال مفرد جمع

سے مفرد کیسے مراد ہوا۔

ششم۔ خطبہ الہامیہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ
عَلَيْهِمْ سے مراد وہ ابدال و اولیاء ہیں جو مسیح موعود پر
ایمان لائے اور مغضوب و ضالین سے مراد میرے منکر ہیں۔
تعجب ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھنے کے باوجود مجھ پر ایمان
نہیں لاتے اور مجھ سے بیعت نہیں کرتے۔

(ملخص خطبہ الہامیہ ص ۱۲۳-۱۲۴)

یہ تفسیر محتاج تبصرہ نہیں۔

ہفتم۔ قرآن میں حضرت آدم کو مخاطب کر کے کہا گیا۔
يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

(اے آدم تو اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں مقیم ہو جا۔)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ یہی آیت دو پیرالویں میں مجھ پر دوبارہ
نازل ہوئی۔ ایک کے الفاظ یہی تھے اور دوسرے میں آدم کی جگہ لفظ مریم
محمقا۔ بہر حال مخاطب آدم ہو یا مریم معنوں کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا
جناب مرزا صاحب اس کی تفسیر یوں فرماتے ہیں۔

اول۔ اے آدم تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت
میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل میں داخل ہو جاؤ۔

(برائین حاشیہ در حاشیہ ۳ ص ۴۹۶)

دوم۔ ”اے آدم تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت

میں داخل ہو۔“

(اربعین مراد ۱۴)

پہلی تفسیر میں صرف دوست جنت میں گیا تھا اس میں بیوی
بھی شامل ہو گئی۔ اور آیت وہی ہے۔

”اے مریم (آدم کی جگہ مریم) تو مع اپنے دوستوں

کے مہشت میں داخل ہو۔“

(کشتی نوح ص ۴۵)

بیوی پھر رہ گئی۔

چہارم۔ ”اے مریم! تو اور تیرے دوست اور تیری بیوی بہشت میں داخل ہو۔“

(اربعین ۱ ص ۱۶)

بیوی پھر آگئی۔ لیکن یہ عجیب قسم کی مریم ہے جس کی بیوی بھی ہے

• پنجم۔ ”میں تو ارم (جوڑا) پیدا ہوا تھا۔ میرے ساتھ ایک لڑکی تھی

جس کا نام جنت تھا اور یہ الہام کہ آیا دم اسکن۔۔۔۔۔

جو آج سے بیس برس پہلے براہین کے صفحہ ۴۹۶ میں درج

ہے اس میں جو جنت کا لفظ ہے اس میں ایک لطیف اشارہ

ہے کہ وہ ٹرکی جو میرے ساتھ پیدا ہوئی اس کا نام جنت تھا۔

(ترتیب القلوب ص ۱۵۶)

ششم . گایا دم اسکن انت وزوجك الجنة . یا امرئکم اسکن
یا احمد اسکن -----

يَا وَمَا اسْكُنَ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ يَا مَرْيَمُ اسْكُنِ

تک پہنچی تھی ممکن ہے چار سو سات ہو یا نو سو ہو۔ بہر حال ہزار سے کم تھی۔
۲۔ ۱۸۹۲ء میں ارشاد ہوا۔

پھر ماسوا اس کے آج کی تاریخ تک جو ۱۱ ربیع الاول ۱۲۹۳ء
مطابق ۲۲ ستمبر ۱۸۹۲ء اور نیز مطابق ۸ اسوج سنہ ۱۹۵۰ء اور
روز جمعہ ہے۔ اس عا جز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے
نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

(شہادت القرآن ص ۷۷)

۳۔ ۱۸۹۹ء تک نشانات کی تعداد وہی رہی۔
”ہزار ہا دعائیں قبول ہو چکی ہیں اور تین ہزار سے زیادہ نشان
ظاہر ہو چکا ہے۔“

(تزیان القلوب تصنیف ۱۸۹۹ء ص ۸۲)
۴۔ ۱۹۰۰ء میں یہ تعداد گھٹ کر سو کے لگ بھگ رہ گئی اور
وہ نشان جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے وہ سو بھی
زیادہ ہیں۔ (الرعبین ص ۷ حاشیہ ص ۳)

۵۔ ۱۹۰۱ء میں بھی تعداد وہی رہی۔
آج تک میرے ہاتھ پر سو سے زیادہ خدا تعالیٰ کا نشان ظاہر
ہوا۔ (تحفہ گوشت و یہ تصنیف ۱۹۰۱ء ص ۸۹)

زرا وہ ۱۸۹۲ء کی تحریر دوبارہ پڑھ لیجئے۔
آج کی تاریخ تک تین ہزار سے کچھ

زیادہ نشان ظاہر ہو چکے ہیں۔

یعنی آٹھ برس پہلے تین ہزار اور اب صرف سو۔

۶۔ اور صرف ایک سال بعد یعنی ۱۹۰۲ء میں۔

”وہ غیب کی باتیں جو خدا نے مجھے بتلائی ہیں اور پھر اپنے وقت پر پوری

ہوئیں وہ دس ہزار سے کم نہیں۔“ (کشتی نوح تصنیف ۱۹۰۲ء ص ۶)

سال میں دس ہزار مہینے میں آٹھ سو تیس ہفتے میں دو سو اسی اور

ایک دن میں چالیس معجزات سرزد ہو رہے۔

۷۔ ۱۹۰۵ء میں بھی تعداد ہزار ہا تھی۔

”اب تک میرے ہاتھ پر ہزار ہا نشان تصدیق رسول اللہ اور

کتاب اللہ کے بارے میں ظاہر ہو چکے ہیں۔“

(حیثمہ مسیحی تصنیف مارچ ۱۹۰۵ء ص ۱۳)

۸۔ صرف ایک سال بعد۔

”اگر خدا تعالیٰ کے نشانوں کو جو میری تائید میں ظہور میں آچکے

ہیں آج کے دن تک شمار کیا جائے تو وہ تین لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔“

(حقیقۃ الوحی ۱۷ صفحہ ۴۶)

۱۷ حقیقۃ الوحی کافی ضخیم کتاب ہے جسے جناب مرزا صاحب نے مارچ ۱۹۰۶ء میں لکھنا شروع

کیا تھا اور ۱۵ مئی ۱۹۰۶ء کو ختم فرمایا یہ اقتباس آغاز کتاب کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ

۱۹۰۶ء کے مارچ تک آپ سے تین لاکھ سے زیادہ نشانات ظاہر ہو چکے تھے (برق)

سب لوگوں ہوا۔ سال میں تین لاکھ۔ مہینے میں پچیس ہزار اور دن میں آٹھ سو تینتیس۔ اگر خواب کے لیے آٹھ گھنٹے عبادت کے لیے چار گھنٹے خور و نوش کے لیے تین گھنٹے ملاقاتیوں کے لیے دو گھنٹے تصنیف و تالیف و عطا و پند اور دیگر حوائج ضروریہ کے لیے چار گھنٹے نکال لیے جائیں تو باقی ہر روز صرف تین گھنٹے (شب و روز میں سے) بچتے ہیں۔ چلو چھو سہی۔ اگر آٹھ سو تینتیس نشانات کو چھ گھنٹوں میں پھیلا یا جائے تو ایک گھنٹے میں ان کی تعداد ایک سو انتالیس اور ایک منٹ میں اندازاً اڑھائی بنتی ہے۔

ایک منٹ میں اڑھائی معجزے! کیا یہ نشانات اسی رفتار سے سرزد ہوتے تھے؟ خود فرماتے ہیں۔

”اور کوئی مہینہ شاذ و نادر ایسا گزرتا ہو گا جس میں کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۱۹۱)

۹۔ صرف چند روز بعد میں تعداد گھٹ کر سیکڑوں تک رہ جاتی ہے۔

”جو شخص مجھ کو باوجود صد ہا نشانوں کے مفتری ٹھہراتا ہے وہ مومن

کیونکر ہو سکتا ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۲)

۱۰۔ اور دسمبر ۱۹۰۷ء میں پھر ایک لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

”خدا مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے اور ایک لاکھ سے بھی زیادہ اس نے

میرے ہاتھ پر نشان دکھلائے ہیں۔“

مضمون محررہ ۳، دسمبر ۱۹۰۷ء

(مندرجہ چشمہ معرفت ص ۳۴)

• ۱۱ جناب مرزا صاحب کی آخری تحریر ”پیغام صلح“ ہے جو آپ نے رحلت سے صرف دو روز پہلے مکمل فرمائی تھی۔ اس میں فرماتے ہیں: ”میرے ہاتھ پر اس نے صد ہا نشان دکھائے ہیں جو ہزار ہا گواہوں کے مشاہدہ میں آچکے ہیں۔“

(پیغام صلح تصنیف ۱۲ مئی ۱۹۰۶ء ص ۶)

ان اقتباسات کا ملخص یہ ہوا کہ آپ کے نشانات

۱ •	۱۹۱۱ء	میں	صد ہا
۲ •	۱۹۹۳ء	تین ہزار سے کچھ زیادہ	
۳ •	۱۸۹۹ء	ایضاً	
۴ •	۱۹۰۰ء	ایک سو سے زیادہ	
۵ •	۱۹۰۱ء	ایضاً	
۶ •	۱۹۰۲ء	دس ہزار	
۷ •	۱۹۰۵ء	ہزار ہا	
۸ •	۱۹۰۶ء	تین لاکھ	
۹ •	اسی سال	صد ہا	
۱۰ •	۱۹۰۷ء	ایک لاکھ	
۱۱ •	۱۹۰۸ء	صد ہا تھے	

نشانات ایک سو ہوں، دس ہزار ہوں یا تین لاکھ ان تمام کو آج

پچاس برس کے بعد پرکھنا مشکل ہے۔ اس لیے ہم سطور ذیل میں
صرف دس نشانات پہ بحث کریں گے۔

۱۔ محمدی بیگم

احمد بیگ ہوشیار پوری جناب مرزا صاحب کے اقربا میں سے تھے
وہ ایک مرتبہ مرزا صاحب کے ہاں گئے۔ کیوں؟

تفصیل اس کی یہ ہے کہ نامبروہ (احمد بیگ) کی ایک
ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین کو بیاہی گئی تھی غلام
حسین عرصہ پچیس سال سے ----- مفقود الخبر ہے اس کی
زمین جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے نامبروہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری
میں درج کردی گئی تھی اب حال کے بند و بست میں ----- نامبروہ
----- نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین -----
----- اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں -----
چونکہ وہ ہبہ نامہ بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لیے مکتوب الیہ
(احمد بیگ) نے بہ تمام تر عجز و انکساری ہماری طرف رجوع کیا تاہم
اس ہبہ پر ----- دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے
لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے ----- ہماری عادت
ہے جناب الہی میں استخارہ کر لینا چاہیے ----- پھر استخارہ
کیا ----- اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص

عاجزہ آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے
اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے معاون بنیں تاکہ خدا تعالیٰ کی کبریاں
آپ پر نازل ہوں۔

(منقول از کلمہ فضل ربانی مولفہ قاضی فضل احمد)

۲۰ پھر دھمکی دی۔

(پہلی بیگم سے جناب مرزا صاحب کے دو بیٹے تھے فضل احمد اور
سلطان احمد۔ فضل احمد کی شادی مرزا علی شیر بیگ کے ہاں ہوئی تھی احمد بیگ
مرزا علی شیر کا سالہ تھا۔ آپ نے ایک خط مرزا علی شیر کی زوجہ کو اور دوسرا خود
علی شیر کو لکھا۔ مضمون یہ)

مشفق مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم

میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس شرکی
(محمدی) کا نکاح ہونے والا ہے۔ اور آپ کے گھر کے لوگ (بیوی)
اس مشورے میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مشورہ کے شریک
میرے سخت دشمن ہیں۔۔۔۔۔۔ عیسائیوں کو ہنسانا۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں ان لوگوں نے پختہ
ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جاوے اور روسیہ کیا
جاوے۔۔۔۔۔۔ میں نے ان کی (آپ کی بیگم) خدمت میں
لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی (احمد بیگ)

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت مددوم ص ۹)

کتنے گھر برباد ہوئے۔

۱۔ فضل احمد کا گھر

۲۔ دونوں بھائی محرم اللہ ت اور عاق

۳۔ دونوں کی والدہ کو طلاق

اصل پیش گوئی کی عبارت پھر ٹپھیے۔ "ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی
پڑے گی۔" اور دیکھیے کہ تفرقہ کی مصیبت کہاں جاٹوئی۔

پھر کیا ہوا۔ یہی کہ عید کے معا بعد (مئی ۱۸۹۱ء) محمدی بیگم کا نکاح
سلطان احمد سے ہو گیا۔ نکاح کے بعد بھی جناب مرزا صاحب کو اپنی وحی پہ
ایمان کامل رہا۔

۱۸۹۲ء میں اس پیشگوئی کی عظمت پہ بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ
..... پیشگوئی بہت ہی عظیم الشان ہے

کیونکہ اس کے اجراء یہ ہیں۔

۱۔ کہ مرزا احمد بیگ تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

۲۔ پھر داماد اس کا۔۔۔۔۔ اٹھائی سال کے اندر فوت ہو۔

۳۔ پھر یہ کہ احمد بیگ تاروز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو۔

۴۔ اور پھر یہ کہ وہ دختر تانکاح اور تا ایام بیوہ ہونے اور نکاح

ثانی کے فوت نہ ہو۔

۵۔ اور پھر یہ کہ یہ عاجزہ بھی ان تمام واقعات کے پورے ہونے تک فوت نہ ہو۔

۶۔ اور پھر یہ کہ اس عاجزہ سے نکاح ہو جاوے۔
(شہادۃ القرآن ص ۸)

۱۸۹۳ء میں ارشاد ہوا۔

اے خدائے قادر و علیم اگر آتھم کا عذاب ہلک میں گرفتار
ہونا اور احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجزہ کے نکاح میں آنا۔
----- یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی
اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔

(اشتہار مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۳ء تبلیغ رسالت جلد سوم ص ۱۸۶)

۱۸۹۶ء میں کہا۔

اس عورت کا اس عاجزہ کے نکاح میں آجانا یہ تقدیر مبرم ہے
جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے الہام الہی میں یہ کلمہ موجود
ہے کہ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ (اللہ کی بات بدل
نہیں سکتی) یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جائے تو
خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔

(اعلان ۶ ستمبر ۱۸۹۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد سوم ص ۱۱۵)

۱۸۹۱ء میں فرمایا۔

مشاتاتِ تذخّان دو بکریاں ذبح
 کی جائیں گی۔ پہلی بکری سے مراد احمد بیگ ہے اور دوسری سے مراد اس
 کا داماد اور پھر اللہ نے فرمایا کہ غم مت
 کر۔ کیونکہ ایسا ہی ظہور میں آئے گا۔ کیا دنیا میں کوئی اور
 شخص موجود ہے جس کی تحسریوں میں یہ عظیم الشان سلسلہ پیشگوئیوں
 کا پایا جائے یقیناً کوئی سخت سے حیا ہو گا جو اس فوق العادت سلسلے
 سے انکار کرے۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۵-۵۶)

یہ سلسلہ امید جاری رہا اور ۱۹۰۵ء میں ارشاد ہوا
 ”وہی ابھی میں یہ نہیں تھا کہ دوسری جگہ بیابا نہیں جائے گی
 یہ تھا کہ ضرور ہے کہ اول دوسری جگہ بیابا جائے خدا
 پھر اس کو تیری طرف لائے گا“ (الحکم ۱۲ جون ۱۹۰۵ء ص ۲)

جب شہنشاہ کی پیش گوئی تقریباً بیس برس تک پوری نہ ہوئی اور
 جناب مرزا صاحب پوری طرح مایوس ہو گئے تو آپ نے شہنشاہ میں لکھا:
 ”خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی
 گئی تھی اور وہ کہ یتھما الموائۃ توبی توبی فان البلاء علی عقیبتہ (اے
 عورت توبہ کر، توبہ کر کہ مصائب تیرا پیچھا کر رہے ہیں) پس جب ان لوگوں نے
 اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح منع ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔“

پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور
سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب
یہ پیشگوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سو جا کھے کیے جائیں گے اور بعض
لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔

(پیشگوئی ۵۔ جون ۱۹۹۳ء مندرجہ جنگ مقدس ص ۱۸۸)

پیشگوئی کا خلاصہ یہ نکلا۔

کہ جو فریق عاجز انسان (مسح) کو خدا بنا رہا ہے وہ پندرہ ماہ
یعنی ۴۔ ۵ ستمبر ۱۹۹۴ء تک ہادیہ میں گرایا جائے گا بشرطیکہ حق کی
طرف رجوع نہ کرے۔

اس پیشگوئی میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ ہادیہ اور حق۔ ہادیہ کی تشریح خود
مرزا صاحب یوں فرماتے ہیں۔

”بشر فی ربی بعد دعوتی بموتہ الی خمسۃ عشر
شہر من یوم خاتمۃ البحت“ (کرامات الصادقین سرورق)

(میری دعا کے بعد اللہ نے مجھے بتایا کہ آٹھ خاتمہ بحث کے

بعد پندرہ ماہ کے اندر۔ مرجائے گا۔)

یاد رکھیے کہ ہادیہ کی تشریح خدائی ہے بشرطیکہ ربی جو اللہ نے بتائی ہے۔

باقی رہا لفظ حق۔ تو پیشگوئی کے الفاظ پیر تپے۔

”جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو

خدا بنا رہا ہے۔“

یعنی جھوٹ سے مراد عاجز انسان کو خدا بنانا ہے اور سچ کیا ہے ؟

” اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے ۔“

ایک خدا کو ماننا اس پیشگوئی کے رُوسے رجوع الی الحق کا مفہوم
ایک ہی ہو سکتا ہے یعنی تثلیث سے ثابت ہو کر توحید قبول کرنا۔

اس پیشگوئی کے پورے ہونے پر آپ کو کتنا یقین تھا الفاظ ذیل میں

دیکھئے ۔

” اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی ۔۔۔۔۔ تو میں ہر ایک

مزار اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے رُوسیاہ

کیا جاوے میرے گلے میں رستا ڈال دیا جاوے۔ مجھ کو بھانسی دیا

جاوے۔ ہر ایک بات کے لیے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ

کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا ضرور کرے

گازمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی بات نہ ٹلے گی۔“

(جنگ مقدس ص ۱۸۶)

دن گزرتے گئے اور احمدی حلقوں میں اضطراب بڑھتا گیا خود مرزا صاحب

بے حد پریشان تھے کہ میعاد میں صرف چودہ دن رہ گئے ہیں اور آٹھم ہر طرح

بخیر و عافیت ہے چنانچہ ایک خط میں لکھتے ہیں ۔

مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت

نامہ مدد کار ڈپنچر اب تو صرف چند روز (چودہ روز) پیش گوئی میں

میں دانے کوٹیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیے اور مڑ کر نہ دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کوٹ میں ان دانوں کو پھینک دیا اور جلدی سے منہ پھیر کر سرعت کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ جلدی جلدی واپس چلے آئے اور کسی نے منہ پھیر کر پیچھے کی طرف نہ دیکھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۵۹)

ان تمام حیویں، دعاؤں اور وظیفوں کے باوجود آتھم صحیح و سالم باقی رہا۔ ۶۔ ستمبر کی صبح کو عیسائیوں اور دیگر فرقوں نے امرتسر لدھیانہ اور بعض دیگر شہروں میں وہ جلوس نکالے، وہ وہ نعرے کسے۔ اس قدر گالیاں دیں ایسے ایسے پوسٹر چسپاں کیے کہ خدا کی پناہ عیسائی تو رہے ایک طرف۔ خود مسلمانوں نے بڑا ہلٹر مچایا، جا بجا منظوم و منثور اشتہارات چسپاں کیے، چند اشتہارات کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اولؑ: ”..... مرزا قادیانی تمام مخلوق کی نظروں میں

..... رہا ہوا۔۔۔۔۔ حکیم نور الدین

کہاں ہیں..... خواجہ صاحب لاہوری کہاں ہیں۔ سچ ہے

وَقَوْلِ عَلینَا.....“ (امرتسر کے مسلمانوں کا اشتہار مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۸۹۲ء)

۲۔ یہیں ان اشتہارات کے نقل کرنے میں روحانی کوفت ہوئی۔

ہوا بخت نصاریٰ میں بہ آخر

• دوم

مسیحائی کا یہ انعام مرزا
زمین و آسمان قائم ہیں سیکن
ترے وہ مل گئے احلام مرزا

غضب تھی تجھ پہ ستمگر چھٹی ستمبر کی

سوم

نہ دیکھی تو نے نکل کر چھٹی ستمبر کی
ذلیل و خوار ندامت سے منہ چھپاتے تھے
ترے مریدوں پہ محشر چھٹی ستمبر کی

عیسائیوں کی طرف سے بھی بڑی تعداد میں دل آزار پوسٹر شائع ہوئے۔

اسی مرزا کی گت بنائیں گے

مثلاً • اول

سارے الہام بھول جائیں گے
خاتمہ ہوئے گا نبوت کا
پھر فرشتے کبھی نہ آئیں گے

پنجہ آتھم سے شکل ہے رہائی آپ کی

• دوم

توڑی ڈالیں گے وہ نازک کلائی آپ کی
جھوٹ ہیں باطل ہیں دعویٰ قادیانی کے سبھی
بات سچی ایک بھی ہم نے نہ پائی آپ کی

خوب ہے جبریل اور الہام والا وہ خدا
آبرو سب خاک میں کیسی ملائی آپ کی

سوم۔ اب دایم مکر اور کسی جا بچھائیے
بس جو علی نماز سے اٹھائیے

ذمیرہ وغیرہ

ہم نے ان اشتہارات میں سے نسبتاً مہذب اقوال انتخاب کیے ہیں
ورنہ ان میں مغلطات کا وہ بجوم ہے کہ نقل کرتے بھی جواب آتا ہے ان
اشتہارات سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ آتھم اور اس کے فریق نے پیشگوئی کی
شرط رجوع الی الحق کو پورا نہیں کیا تھا بلکہ وہ اپنے طغیان و ترڈ پہ ڈٹے ہوئے تھے
اور انہوں نے ۶ ستمبر ۱۹۹۲ء کو جناب مرزا صاحب اور خدا و جبریل کی انتہائی توہین
کی نہ صرف ۶ ستمبر کو بلکہ عبداللہ آتھم اسلام اور مرزا صاحب کے خلاف مسلسل
لکھتا رہا۔ اس کی ایک نہایت زہریلی کتاب ”خلاصہ مباحثہ“ جس میں تثلیث پہ
پُر زور دلائل ہیں توحید کا مضحکہ اڑایا گیا ہے اور جناب مرزا صاحب پر بے پناہ پھبتیاں
کسی گئی ہیں۔ اسی زمانے (پندرہ ماہ) کی تصنیف ہے۔ ان واقعات کی روشنی میں
کون کہہ سکتا ہے کہ آتھم نے رجوع الی الحق کر لیا تھا اور عاجز انسان کو خدا بنانے
سے باز آگیا تھا اگر نہیں کیا تھا اور یقیناً نہیں کیا تھا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے
کہ وہ ”بسنائے موت ہاویہ“ میں کیوں نہیں گرا۔ آخر یہ پیشگوئی اللہ کی طرف
سے تھی یہ کسی انسان کا افتہان نہیں تھا اور جناب مرزا صاحب نے اللہ جل شانہ

کی قسم کھا کر فرمایا تھا،

”وہ ضرور ایسا کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ ضرور کرے گا۔“

زمین آسمان ٹل جائیں۔ پر اس کی بات نہ ٹلے گی۔

مرزا صاحب نے اس سوال کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔

مثلاً۔ اول۔ کہ خدا اپنے وعدے کو توڑ سکتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں

چونکہ سزا دینا یا سزا کا وعدہ کرنا خدا تعالیٰ کی ان صفات میں

داخل نہیں۔ جو اُمُ الصفات ہیں۔ کیونکہ دراصل اس نے انسان کے لیے

نیکی کا ارادہ کیا ہے۔ اس لیے خدا کا وعدہ بھی جب تک انسان زندہ ہے اور

اپنی تبدیلی کرنے پر قادر ہے۔ فصدہ ناطقہ نہیں ہے۔ لہذا اس کے برخلاف

کرنا کذب یا عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔

(انجام آتھم عاشیہ ص ۱)

دوم۔ کہ گو آتھم بظاہر زندہ تھا لیکن دراصل مرچکا تھا۔

آتھم نے اپنی کمال سراپیمگی سے پیشگوئی کی سعادت میں

دتیا پر ظاہر کر دیا۔ کہ وہ پیشگوئی کی عظمت سے سخت خوف میں پڑ گیا اور

اس کے دل کا آرام جاتا رہا۔ اکثر وہ روتا تھا۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

آتھم صاحب موت سے پہلے ہی مر گئے اور ہماری سچائی کے پوشیدہ ہاتھ

نے ایسا نہیں دبایا۔ کہ گویا وہ زندہ ہی قبر میں داخل ہو گئے۔

(انجام آتھم ص ۱)

سوم۔ کہ خدا تعالیٰ نے اک نئے الہام کے رُوسے آتھم کو مہلت دے

دی تھی۔

انوار الاسلام ص ۲ میں اس الہام

اِطْلَعُ اللّٰہُ عَلٰی ھَدِّہٖ وَعَمَدِہٖ

”کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے ہم و غم پر الہدایہ پائی

اور اس کو مہلت دی۔“

(حاشیہ انجام آتھم ص ۲۲)

لیکن ”انوار الاسلام“ ص ۲۷، اکتوبر ۱۹۴۲ء کی تصنیف ہے اور پیش گوئی

کی معیاد ۵ ستمبر ۱۹۴۲ء تک تھی۔ ایک ماہ بائیس دن گزر جانے کے بعد مہلت

دینے کا مطلب؟ مزہ تو تب تھا کہ معیاد سے پہلے الہام مہلت نازل ہوتا تاکہ

۴ ستمبر والے طوفان بد تمیزی سے تو نجات ملتی۔

• چہارم۔ سبب اس پیشگوئی کرنے کا یہی تھا کہ اس (آتھم) نے اپنی

کتاب اندرونہ بائبل میں آنحضرت صلعم کا نام و جال رکھا

تھا۔ سو اس کو پیش گوئی کرنے کے وقت قریباً ستر آدمیوں کے روبرو

سنا دیا گیا تھا کہ تم نے ہمارے نبی کو دجال کہا تھا۔ سو تم اگر اس لفظ سے

رجوع نہیں کرو گے تو پندرہ ماہ میں ہلاک کیے جاؤ گے۔ سو آتھم نے

اسی مجلس میں رجوع کیا اور کہا کہ معاذ اللہ میں نے آنجناب کی شان

میں ایسا لفظ کوئی نہیں کہا۔ اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور زبان منہ

سے نکالی اور لڑتی ہوئی زبان سے انکار کیا۔ جس کے نہ صرف مسلمان

گواہ بلکہ چالیس سے زیادہ عیسائی بھی گواہ ہوں گے۔ پس کیا یہ رجوع نہ تھا۔
(اعجاز احمدی ص ۲-۳ القنیف ۱۹۰۲ء)

یہ جواب بوجہ محل نظر ہے۔

• اول اگر آتھم نے واقعی اس جلسے ہی میں (جہاں پیشگوئی سنائی گئی تھی) رجوع کر لیا تھا تو پھر آپ پندرہ ماہ تک مضطرب کیوں رہے۔ منشی رستم علی کے خط میں اظہار پریشانی کیوں کیا؟ آخری دن وہ چنے قادیان کے اندھے کنوئیں میں کیوں پھینکے۔ آتھم کو ”در اصل مرد“ کیوں قرار دیا۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء کو یہ کیوں اعلان کیا۔

”ماسوا اس کے بعض اور عظیم الشان نشان اس عاجز کے معرض امتحان میں ہیں۔ جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم امرتسری کی نسبت پیشگوئی جس کی سیعادہ جون ۱۸۹۳ء سے پندرہ مہینہ تک ہے۔“

(شہادت القرآن ص ۸)

جب رجوع ہو گیا تو پیش گوئی وہیں ختم ہو گئی۔

• دوم اگر رجوع سے مراد صرف لفظ دجال سے رجوع تھا تو پیش گوئی میں بھی اس کی وضاحت فرمائی ہوتی۔

”حق“ کا لفظ اس قدر وسیع ہے کہ کائنات کی کرداروں سچائیاں

اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہیں۔ اتنے وسیع لفظ سے صرف ایک سچائی

مراد لینا ایک ایسا تکلف ہے جس کا جواز ایک زبردست قرینہ کے بغیر

نکل ہی نہیں سکتا پیشگوئی میں۔

”جو فریق عمداً عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔۔

..... ہاویہ میں گرایا جائے گا۔“

کے الفاظ صریحاً تثلیث و توحید کا مفہوم دے رہے ہیں و جال کا
نہ تو یہاں ذکر ہے اور نہ کسی لفظ سے یہ اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے پھر

ہم اس تاویل کو کیسے قبول کریں۔

• پنجم کہ پیش گوئی میں پندرہ ماہ کی مسیحا دھقی ہی نہیں رہیں گے

ڈپٹی آفٹم کے مباحثہ میں قریباً ساٹھ آدمیوں کے روبرو
یہ کہا تھا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا۔

”سو آفٹم بھی اپنی موت سے میری سچائی کی گواہی دے گیا۔“

(ضمیمہ تحفہ گوٹروہ ص ۱۹۲ تصنیف ۱۹۰۲ء)

پیش گوئی میں پہلے اور پیچھے کا کوئی ذکر نہیں۔ وہاں تو صرف اتنا ہی
ہے کہ جھوٹا۔

(پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔)

• ششم کہ ہاویہ سے مراد موت نہیں بلکہ دماغی بے چینی تھی جس

میں آفٹم پورے پندرہ ماہ گرفتار رہا۔ اور اس طرح

پیش گوئی پوری ہو گئی۔

اور توجہ سے یاد رکھنا چاہیے کہ ہاویہ میں گرائے جانا جو اصل

الفاظ الہام ہیں۔ وہ عبداللہ آفٹم نے اپنے ہاتھ سے پورے کیے

اور جن مصائب میں اس نے اپنے تئیں ڈال لیا اور جس طرز سے مسلسل

۳۔ پسر موعود

۲۔ فروری ۱۹۹۶ء کو جناب مرزا صاحب نے الہام ذیل شائع فرمایا۔

خدا نے رحیم و کریم نے مجھ کو اپنے الہام

سے مخاطب کر کے فرمایا تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیبہ

اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ترکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔۔۔۔۔

..... اس کا نام عثمان ایل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس

روح دی گئی ہے وہ جس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔۔۔۔۔

..... وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔۔۔۔۔ اپنے

مسیحی نفس سے بہتوں کی بیماری کو صاف کرے گا

..... علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا وہ عین کو چار

کرنے والا ہو گا وہ شنبہ ہے مبارک و شنبہ فرزند و لبید گرامی ارجمند۔

منظہر الاول والاخر مظہر الحق والعدا۔ کان اللہ نزل من السماء۔۔۔۔۔

..... زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے

برکت حاصل کریں گی۔

(تبلیغ رسالت ج۔ اول ص ۵۱)

پسر موعود کب پیدا ہو گا؟ فرمایا

السیار لڑکا بموجب وعدہ الہی نو برس کے عرصہ تک (یعنی

جب ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو ایک لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اسے لیسپر
موجود سمجھ کر اس کا نام بشیر احمد رکھا اور اعلان کیا۔

اسے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے
تولد کے لیے میں نے اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی
اور خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر اپنے کھٹے کھٹے بیان میں مکھا تھا کہ
اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب
ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج ۱۶ ذیقعد ۱۳۰۵ ہجری مطابق ۷
اگست ۱۸۸۷ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ
مولود مسیح پیدا ہو گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔ اس لڑکے کا نام بشیر احمد رکھا
گیا۔ (تبلیغ رسالت ج ۱ اول ص ۹۹)

اس اشتہار کی خط کشیدہ سطور کو دیکھیے اور پھر ۸ اپریل
کے اشتہار کو چھیے۔ وہاں ”دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے“
کا اشارہ تک نہیں ملے گا۔

بہر حال یہ لڑکا ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گیا اور جناب مرزا
صاحب نے مولوی نور الدین صاحب کو لکھا۔

مخدومی و مکرمی مولوی نور الدین سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میرا لڑکا بشیر احمد تئیس روز بیمار رہ کر آج بقضائے رب عزوجل
انتقال کر گیا۔ انا للہ۔۔۔۔۔ اس واقعہ سے جس قدر غنائین کی

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ولادت سے ساڑھے اسی ماہ پہلے وہ لڑکا پیٹ میں تھا ہی نہیں تو اس نے پیٹ سے باہر کیسے کیے؟

آٹھ سال بعد

اگست ۱۹۰۷ء میں مبارک احمد تپ میں گرفتار ہو گئے۔ بیماری بڑھ گئی۔ تو نو دن کے بعد جناب مرزا صاحب پر وحی نازل ہوئی۔
”قبول ہو گئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔“

(اخبار بدر۔ ۲۹ اگست ۱۹۰۷ء)

لیکن

”حکیم نور الدین صاحب۔۔۔۔۔۔ نے نبض پر ہاتھ رکھا تو چوٹ چکی تھی۔ انہوں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا: حضور کستوری لائیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام چابی لے کر قفل کھول ہی رہے تھے کہ مبارک احمد فوت ہو گیا۔“ (خطبہ میاں محمود احمد صاحب الفضل ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

ابھی قادیان ماتم کدہ بنا ہوا تھا کہ جبریل پھر ایک بشارت لے کر آگیا۔ جب مبارک احمد فوت ہوا۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا۔ انا نبشرك بسلام حلیم بنزل منزل المبارک ؑ یعنی ایک حلیم لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ اور اس کا قائم مقام اور اس کا شبیہ ہوگا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ دشمن خوش ہو۔

پاس نہیں۔ سچا شفیع میں ہوں۔ (ادفع البلاء ص ۱۳)

۴۔ میں نے خدا سے ایک گروہ انسانوں کے لیے جو میرے

قول پر چلنے والے ہیں۔ عذاب طاعون سے بچنے کے

لیے خوشخبری پائی ہے۔ (کشتی نوح ص ۹)

۵۔ آج سے ایک مدت پہلے وہ خدا۔۔۔۔۔ جس کے علم

اور تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اس نے مجھ پر وحی نازل

کی کہ میں ہر ایسے شخص کو طاعون کی موت سے بچاؤں گا جو اس گھر کی

چار دیواری میں ہو گا۔ بشرطیکہ۔۔۔۔۔ سلسلہ بیعت میں داخل ہو۔

(کشتی نوح ص ۱)

اس پیش گوئی کے اجزاء یہ ہیں۔

• اول۔ کہ قادیان طاعون کی بیماری سے محفوظ رہے گا۔

• دوم۔ کہ آپ کے گھر کی چار دیواری میں طاعون داخل نہیں ہو گا۔

• سوم۔ کہ آپ کے سر محفوظ رہیں گے۔

• چہارم۔ کہ آپ کو نہ ماننے والے طاعون کا شکار ہو جائیں گے۔

• پنجم۔ کہ طاعون اس وقت تک دور نہ ہو گا جب تک لوگ خدا

کے فرستادہ اور رسول کو نہ مان لیں۔

یہ ہیں پیش گوئی کے اجزائے خمسہ جن کو آپ نے بار بار مختلف پیرایوں

میں پیش فرمایا۔ آئیے ذرا دیکھیں کہ یہ پانچ پیش گوئیاں کس حد تک

پوری ہوئیں۔

اور سرکار میں۔ دنا چھے میں (ملاحظہ ہو۔ اخبار اہل حدیث امرتسر مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء)
 صرف مارتھ اور اپریل ۱۹۹۰ء میں ۲۱۳ اموات درج ہوئیں جو قادیان میں
 طاعون سے واقع ہوئی تھیں۔ قادیان کی آمادی ان دنوں اٹھائیس سو نفوس
 پر مشتمل تھی۔ لوگ گھبرا کر گاؤں چھوڑ گئے تھے اور تمام قصبہ سنسان ہو گیا تھا
 خود جناب مرزا صاحب اس حقیقت کا یوں اعتراف فرماتے ہیں۔
 ”طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون کا زور تھا میرا اثر کا
 بیمار ہو گیا۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۲۵۲)

۔ دم۔ کیا آپ کے گھر کی چار دیواری محفوظ رہی؟
 بڑی غوثان (شاید ملازمہ) کو تپ ہو گیا تھا اس کو گھر سے نکال
 دیا ہے۔ لیکن میری دانست میں اس کو طاعون نہیں ہے۔ احتیاطاً نکال دیا ہے
 ماسٹر محمد دین کو تپ ہو گیا اور گھٹی نکل آئی۔ اس کو بھی باہر نکال دیا ہے۔

 میں تو دن رات دعا کر رہا ہوں۔ اور اس قدر
 زور اور توجہ سے دعائیں کی گئیں کہ بعض اوقات میں ایسا بیمار ہو گیا کہ یہ دہم
 گزرا کہ شاید دو تین منٹ جان باقی ہے اور خطرناک آواز ظاہر ہو گئے۔
 مکتوب مرزا صاحب بنام نواب محمد علی خاں محمدرہ ۱۰ اپریل ۱۹۹۰ء
 مندرجہ مکتوبات احمدیہ ج پنجم ص ۱۱۵
 تو گویا چار دیواری بھی محفوظ نہ رہی اور جناب مرزا صاحب بعالم پریشانی
 ”پورے زور اور توجہ سے“ دعاؤں میں مصروف ہو گئے کس مقصد کے

یہ؛ طاعون کے بڑھنے یا گھٹنے کے لیے؛ سیاق و سباق سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتمہ طاعون کے لیے دعائیں کر رہے تھے۔

لیکن۔

”میں نے طاعون پھیلنے کی دعا کی ہے سو وہ دعا قبول ہو کر ملک میں طاعون پھیل گئی ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۲۲۴)

مبارک وہ خدا ہے جس نے دنیا میں طاعون کو بھیجا تاکہ اس کے ذریعہ سے ہم بڑھیں اور پھولیں (یعنی لوگ طاعون سے بچنے کے لیے آپ کی بیعت میں داخل ہوں اور ہمارے دشمن نیست و نابود ہوں۔)
(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۱۲۱)

ان اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون آپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا اور آپ دنیا کی تباہی و بربادی پر بہت خوش تھے اس لیے کہ طاعون آپ کے عظیم الشان نشانات میں سے ایک نشان تھا۔
دنیا میں ایک نذیر آیا اور دنیا نے اسے قبول نہ کیا خدا اس کو قبول کرے گا اور زور اور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔
..... زور اور حملوں سے مراد طاعون ہے۔

(ملفوظات احمدیہ حصہ ہفتم ص ۵۲۲)

یہ طاعون آپ کی دعا کا نتیجہ ”مبارک خدا“ کی طرف سے اشاعت اسلام کے لیے ایک وسیلہ اور صداقت رسول کو ظاہر کرنے کے لیے ایک زور آور حمد ستارہ اس لیے ہر خیر خواہ اسلام کا یہ فرض تھا کہ وہ اس عظیم الشان نشان

کو قائم و دائم رکھنے کے لیے پوری قوت صرف کرتا اور اگر کوئی شخص رفع
طاعون کے وسائل اختیار کرتا تو اس کے خلاف جہاد کرتا۔ لیکن نہ جانے یک
بیک کیا ہوا کہ جناب مرزا صاحب انگریزی حکومت (دجال) کی خدمت میں
برہمائے تشکر پیش کرنے لگے۔

شکر کا مقام ہے کہ گورنمنٹ عالیہ انگریزی نے اپنی رعایا پر
رحم کر کے دوبارہ طاعون سے بچانے کے لیے ٹیکہ کی تجویز کی اور ہندوگان
خدا کی بہبودی کے لیے کئی لاکھ روپیہ کا بوجھ اپنے سر ڈال لیا، درحقیقت
یہ وہ کام ہے جس کا شکر گزاری سے استقبال کرنا دشمند رعایا
کا فرض ہے۔ (کشتی نوح ص ۱)

جناب نے ”دشمند رعایا“ کا فرض تو بتا دیا کہ وہ ٹیکہ کی تجویز اور
ہندوگان خدا کی بہبودی پر ”گورنمنٹ عالیہ کا شکر یہ ادا کرے۔ لیکن یہ نہ فرمایا۔
کہ اس کا رقیہ آپ کی ہستی گرامی کے متعلق کیا ہو کہ جن کی دُعا سے ملک میں
طاعون پھیلا۔

”تاکہ میرے دشمن نیست و نابود ہوں۔“

سنا ہے کہ انبیاء تمام کائنات کے لیے رحمت بن کر آتے ہیں۔ اُن
کا کوئی دشمن نہیں ہوا کرتا۔ وہ سب کا بھلا چاہتے ہیں، وہ سب سے محبت
کرتے ہیں، وہ سب کو گلے لگاتے ہیں۔

میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں
پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی

نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ
اس سے بڑھ کر۔ (اربعین ص ۲)

کیا مہربان والدہ اپنے بچوں کو طاعون میں پھنسانے کے لیے دعائیں
کیا کرتی ہے؟ اور ان کے "نیت و نابود" ہونے پہ خوش ہوتی ہے؟ اگر
آپ حقیقتاً دنیاۓ انسانی پہ والدہ سے زیادہ مہربان تھے تو پھر یہ کیوں کہا۔
"مبارک ہے وہ خدا جس نے دنیا میں طاعون بھیجا۔"

۔۔۔۔۔ تاکہ ہم بڑھیں اور پھولیں اور ہمارے دشمن
نیت و نابود ہوں۔۔۔۔۔

• سوم۔ کیا آپ کے پیرو محفوظ رہے؟

(نہیں)

۱۔ ماسٹر محمد دین (گھر میں جو رہتا تھا تو پیرو ہی ہو گا) کو گلٹی نکلی۔

۲۔ آپ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ آپ کے پیرو بھی طاعون کا شکار

ہوئے۔ ہماری جماعت سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہو جانا بھی

ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت صلعم کے بعض صحابہ لڑائی میں شہید ہوئے

تھے۔ (تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۱)

اگر ایک آدمی ہماری جماعت میں مرتا ہے تو بجائے اس کے سو

یا زیادہ آدمی ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۱۳۱)

کیوں داخل ہوتا ہے؟ اس کی وجہ حکومت ہند کی زبانی سنئے۔

one great stimulus for conversion has been the assertion of the founder that all those owing allegiance to him would escape the scourge of Plague. But after a certain period of immunity, the Almadies began to succumb to the disease like others & the faith in the efficacy of the Prophet's declaration was somewhat shaken."

۱ کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء ص ۱۶۹

(قبول احمدیت کی بڑی وجہ بانی احمدیت کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے پیرو طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن حفاظت کے لیے ایک عارضی وقفہ کے بعد احمدی بھی باقی آبادی کی طرح طاعون کا شکار ہونے لگے اور لوگوں کا اعتقاد رسول قاریان کے اعلان کے متعلق متزلزل ہو گیا۔)

• چہارم۔ کیا آپ کو نہ ماننے والے طاعون کا شکار ہو گئے؟ دعویٰ تو یہی تھا۔

”سوائے عمرتیدہ اس (طاعون) کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس مسیح کو سچے دل اور اخلاص سے قبول کر لیا جائے۔

(دافع البلاء صفحہ ۱۱۲)

اس وقت تقریباً چالیس ہزار انگریز افسر ہندوستان میں موجود تھے۔

وہ سب کے سب مسیح موعود کے منکر تھے کیا وہ تمام طاعون سے ہلاک ہو گئے تھے؟ کیا ہندوستان میں احمدیوں کے بغیر کوئی اور متنفذ باقی نہیں رہا تھا۔ اگر نہیں رہا تھا تو ۱۹۱۱ء کی کتاب مردم شماری میں چھ کروڑ چھیا سٹھ لاکھ مسلمان اور ۲۸ کروڑ دیگر اقوام کیسے درج ہو گئی ہیں۔

• پنجم۔ کیا واقعی طاعون اس وقت تک دور نہیں ہوا تھا جب تک لوگوں نے خدا کے فرستادہ کو مان نہ لیا؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں کتاب مردم شماری کی پھر ورق گردانی کرنی پڑے گی۔

جب ۱۹۰۱ء کی مردم شماری قریب آئی
احمدیوں کی تعداد | تو جناب مرزا صاحب نے اعلان کے

ذریعے اپنی جماعت کو ہدایت کی کہ وہ کتاب مردم شماری میں اپنے آپ کو احمدی درج کرائے۔ اور ساتھ ہی حکومت سے درخواست کی۔

”ہم ادب سے اپنی معزز گورنمنٹ میں درخواست کرتے

ہیں کہ اسی نام (احمدی) سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں

اس فرقہ کو موسوم کرے یعنی مسلمان فرقہ احمدیہ“

(اشتہار مجریہ ۴ نومبر ۱۹۰۱ء مندرجہ تر باق القلوب ص ۴۱۹)

کتاب مردم شماری کے اوراق اٹھنے سے پہلے یہ دیکھ لینا مناسب

نہ ہو گا کہ خود مرزا صاحب کا اندازہ تعداد جماعت کے متعلق کیا تھا۔

۱۹۰۷ء میں فرمایا۔

”----- یہ جماعت بہ نسبت تمہاری جماعتوں کے

تھوڑی سی اور فٹہ قلیلہ ہے۔ اور شاید اس وقت چار پانچ
ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔“ (انجام آتھم ص ۶۴)

۲۔ یہی سال (۱۸۹۷ء) اور وہی کتاب

”مولوی عبدالحق کے ساتھ (مباہلہ سے پہلے میرے ساتھ شاید
تین چار سو آدمی ہوں گے۔ اور اب آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ وہ لوگ
ہیں جو اس راہ میں جانفشاں ہیں۔“ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۶)

۳۔ وہی سال اور وہی کتاب

”----- (اللہ نے) ہماری قبولیت زمین پر پھیلائی
اور ہماری جماعت کو ہزار تک پہنچایا۔ (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۱)
تو گویا ۱۸۹۷ء میں احمدیوں کی تعداد پہلے چار پانچ ہزار پھر آٹھ
ہزار سے کچھ زیادہ اور اس کے بعد صرف ایک ہزار تھی۔

۴۔ ۱۸۹۹ء میں

”میزی جماعت کے لوگ دس ہزار سے بھی کچھ زیادہ ہوں گے۔“
(حاشیہ ضمیمہ ۲ تریاق القلوب ص ۳۹۳)

۵۔ ۱۹۰۲ء میں

”آج کی تاریخ تک یہ جماعت (احمدیہ) برٹش انڈیا میں ایک لاکھ
سے بھی کچھ زیادہ ہے۔“

(کشتی نوح ص ۷)

۶۔ ۱۹۰۶ء میں

ان دنوں میں دس آدمی بھی میری بیعت میں نہ تھے۔ مگر آج
خدا کے فضل سے تین لاکھ سے بھی زیادہ ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ص ۱۲)

۷۔ ۱۹۰۷ء میں

”اور سب بیعت کرنے والے چار لاکھ کے قریب ہوں گے۔“

(چشمہ معرفت ص ۳۶)

۸۔ مئی ۱۹۱۱ء میں رحلت سے دو روز پہلے

”یاد رہے کہ ہماری احمدی جماعت چار لاکھ سے کچھ کم نہیں ہے۔“

(پیغام صلح ص ۱۳)

لیکن

کتاب مردم شماری برائے سال ۱۹۱۱ء ص ۱۶۹ بتاتی ہے کہ

طاعون کے بعد ۱۹۱۱ء میں احمدیوں کی تعداد صرف اٹھارہ ہزار چھ سو پچانوے

(۱۱۶۹۵) تھی۔ اور کل پنجاب کی آبادی ایک کروڑ پچانوے لاکھ اسی ہزار

پچالیس (۱۹۵۰۲۶) یعنی طاعون کے بعد بھی صرف پنجاب میں مسیح موعود

کے منکر ایک کروڑ پچانوے لاکھ ساٹھ ہزار باقی تھے اور طاعون ختم

ہو گیا۔ حالانکہ خدا نے صریحاً فرمایا تھا۔

”یہ طاعون اس حالت میں فرو ہوگی جب کہ لوگ خدا کے

فرستادہ کو قبول کر لیں گے۔“ (دافع البلاء ص ۹)

۵۔ الہام عمر

جناب مرزا صاحب نے الہام عمر کو اپنی لقمانیہ میں سو مرتبہ سے

زیادہ دہرایا ہے۔

ثَمَانِينَ حَوْلًا أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ أَوْ تَزِيدُ عَلَيْهِ ۞

اور اس کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

”تیری عمر اسی برس کی ہوگی۔ یا دو چار کم۔ یا چند سال زیادہ۔“

(ضمیمہ تحفہ گوشتویہ ص ۲۹)

اس کی مزید تشریح یوں فرمائی ہے۔

فَبَشِّرْهُ نَارِ بَنَاتِ ثَمَانِينَ سَنَةٍ أَوْ هُمْ أَكْثَرُ عَدَدًا

(مواہب الرحمن ص ۲۱)

(اللہ نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیری عمر اسی برس یا کچھ زیادہ ہوگی)

اول تو یہ الہام ہی عجیب ہے۔ اسی برس۔ دو چار کم۔ یا چند سال زیادہ

کیا اللہ مستقبل کے واقعات سے بے خبر ہے؟ کیا الہام نازل کرتے وقت اسے

معلوم نہیں تھا کہ آپ کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگی کیا اللہ کو آپ کی تاریخ

ولادت بھول گئی تھی؟ اگر یاد تھی اور تاریخ وفات بھی معلوم تھی تو پھر الہام میں

یہ اظہارِ تجاہل ”دو چار کم یا چند سال زیادہ“ کیوں؟ جس شخص کو اپنے مرحوم بیٹے

کی تاریخ ولادت و وفات ہر دو معلوم ہوں۔ اور جمع و تفریق کا قاعدہ بھی جانتا

ہو۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ میرے بیٹے کی عمر بیس برس یا دو چار کم یا چند سال زیادہ تھی۔ یہ اشتباہ و تجاہل اسی شخص کے بیان میں ہو سکتا ہے۔ جو تاریخ ولادت و وفات ہر دو سے ناواقف ہو۔ اور یا اس قدر ان پڑھ ہو کہ سال وفات میں سے ستین حیات تفریق کر کے حاصل نہ بنا سکتا ہو۔ پھر عجیب تر یہ کہ تشریح الہام "اسی برس یا کچھ زیادہ" کا تو ذکر ہے لیکن "دو چار کم" کا کوئی ذکر نہیں چلیے۔ اس پیش و کم کو چھوڑیے اور "اسی" کو پیش نظر رکھیے کہ الہام کا مرکزی عدد یہی ہے۔

جناب مرزا صاحب نے اپنی تصانیف میں تاریخ ولادت کہیں ذکر نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بار بار فرماتے ہیں کہ میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوا تھا۔ اور نہ آپ کے سوانح نگاروں نے یہ تکلیف کی کہ سولہ سرحد سپور کے دفتر سے آپ کی تاریخ ولادت معلوم کر لیتے۔ اتنے بڑے روحانی رہنما کے مریدوں کا یہ تشاہل قابل افسوس ہے۔

"میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا۔"

(کتاب التبریہ ص ۱۳۴)

کیا کوئی حساب دان یہ بنا سکتا ہے کہ آپ ۱۸۵۷ء میں کس حساب سے سولہ برس کے تھے؟ خیر اسے چھوڑیے۔ صرف سال ولادت یاد رکھیے۔ اور سال وفات یعنی ۱۹۰۱ء سے اسے منہا کر دیجئے۔

$$\begin{array}{r} 19.1 \\ 1857 \\ \hline 49 \end{array}$$

$$\begin{array}{r} 19.1 \\ 1850 \\ \hline 49 \end{array}$$

باقی بچے ۶۸ یا ۶۹ اب دیکھیے اس الہام کو تیری عمر اسی سال ہوگی۔ یاد دوچار کم یا چند سال نہ یادہ۔
لیکن یہاں تک تو پورے $\frac{11}{12}$ برس کم ہیں۔

”پھر اگر ثابت ہو کہ میری سویشیگوٹی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی ہو تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔“
(حاشیہ اربعین ص ۲)

۶۔ امراضِ خبیثہ سے حفاظت کا وعدہ

”اس (خلا) نے مجھے براہین میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔“ (ضمیمہ تحفہ گولڈویہ حاشیہ ص ۲)
”خبیث عارضہ“ سے مراد کوئی مزمن یا مہلک بیماری ہی سکتی ہے مثلاً دائمی دل دھڑکن۔ دق۔ خون کا دباؤ۔ ذیابیطس۔ امراض طوائف خانہ جنون مرگی طاعون۔ ہیضہ برس۔ دائمی خارش وغیرہ۔

”بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسپتال کا دورہ بشیرِ اول کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔۔۔۔۔ اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دوا سے پڑنے شروع ہو گئے۔“ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۳)

۷۔ الہام شلیج

شلیج عربی زبان میں برف کو کہتے ہیں۔ جب مرزا صاحب کے الہاماتِ
زلزلہ کی وجہ سے بعض لوگوں میں یہ چینی سی پھیل گئی۔ تو اللہ نے یہ الہام نازل
کیا۔ ”پھر بہار آئی تو آئے شلیج کے آنے کے دن اور اس کی
تشریح یوں فرمائی۔“

”دوسرے معنی اس کے عربی میں اطمینانِ قلب حاصل کرنا ہے
..... گزشتہ دلوں میں زلزلوں کی نسبت کج طبع لوگوں نے

شبہات بھی پیدا کئے تھے اور شلیج طبع یعنی کلی اطمینان سے محروم
ہو گئے تھے۔ اس لیے بہار کے موسم میں ایک ایسا نشان ظاہر ہو گا۔
جس سے شلیج قلب ہو جائے گا۔“ (تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۳۸)

کون سا موسم بہار؟

حقیقت الوحی کا تمتہ جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے ۱۹۰۷ء کے اوائل
میں لکھا جا رہا تھا۔ بظاہر موسم بہار سے ۱۹۰۷ء ہی کا موسم ہو سکتا ہے۔ لیکن
نہیں۔ آپ اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں۔

”بہار جب دوبارہ (یعنی ۱۹۰۸ء میں) آئے گی تو ایک اور زلزلہ آئے گا۔“
(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۹۵)

اور چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

خدا نے دعا قبول کر کے زلزلہ کسی اور وقت پہ ڈال دیا ہے اس لیے ضرور
تھا کہ لڑکا پیدا ہونے میں بھی تاخیر ہوئی۔ چنانچہ پیر منظور محمد کے گھر میں ۱۷
جولائی ۱۹۰۶ء کو بروز سہ شنبہ لڑکی پیدا ہوئی۔

(حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۱۰۵)

یاد رکھیے کہ لڑکا پیدا ہونے میں تاخیر ہوئی تھی۔ پیدائش منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

لیکن

کچھ عرصہ بعد محمدی بیگم کا انتقال ہو گیا۔ اور اس "عالم کباب" کے
عالم وجود میں آنے کے تمام امکانات ہی ختم ہو گئے۔ اس "حادثہ" پر البشری
کا مصنف لکھتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ پیشگوئی کب اور کس رنگ میں پوری
ہوگی گو حضرت اقدس نے اس کا وقوعہ محمدی بیگم کے ذریعہ سے فرمایا تھا
مگر چونکہ وہ فوت ہو چکی ہے اس لیے اب تخصیص نام نہ رہی۔ بہر صورت یہ
پیش گوئی مقشایہات سے ہے۔"

(البشری از بابو منظور الہی ج۔ دوم ص ۱۱۶)

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔

بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے
ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا۔

(اشہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج اول ص ۱۱)

۹۔ کنواری اور بیوہ

جناب مرزا صاحب پر ایک الہام نازل ہوا تھا۔

بکر و ثیب

(کنواری بیوہ)

الہام کے معنی ملہم ہی سمجھ سکتا ہے۔

”ملہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا اور نہ کسی کا

حق ہے جو اس کے مخالف کہے۔“

(تمہ حقیقۃ الوحی ص ۷)

۱۸۹۹ء کے اواخر میں آپ نے اس الہام کی تشریح یوں فرمائی۔

خدا کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا ایک بکر

(کنواری) ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا۔

پورا ہو گیا۔ اور اس وقت بغضلہ چار لیسر اس بیوی سے ہیں اور بیوہ کے

الہام کا انتظار ہے۔

(ترباق القلوب تصنیف دسمبر ۱۸۹۹ء ص ۳۴)

یہ انتظار تادم واپس میں جاری رہا۔ اور کوئی بیوہ آپ کے نکاح میں

نہ آئی۔ اس پر بابو منظور الہی نے لکھا۔

یہ الہام اپنے دونوں پہلوؤں سے حضرت ام المومنین (نصرت

جہاں بیگم صاحبہ کی ذات میں پورا ہوا۔ جو بکرا آئیں اور شیب (بیوہ) رہ گئیں۔
(مجموعہ الہامات ص ۳۸)

بابو صاحب کی خدمت میں صرف اتنی ہی گزارش ہے کہ۔
”مہم سے زیادہ کوئی الہام کے معنی نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ کسی کا حق ہے۔ جو اس کے مخالف کہے۔“

۱۰۔ بعض بابرکت عورتیں

جناب مرزا صاحب نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو ایک اشتہار نکالا تھا۔ اس کے متعلق بعد فرماتے ہیں۔

اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے ایک اشتہار میں یہ پیش گوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی۔ (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۸۹)

اس اشتہار کے وقت آپ کے ہاں دو بیویاں موجود تھیں۔ فضل و سلطان کی والدہ۔ جسے بعد میں طلاق ہو گئی۔ اور نفرت جہاں بیگم صاحبہ جو موجودہ امام جماعت جناب میاں محمود احمد صاحب کی والدہ تھیں۔ نفرت بیگم صاحبہ کے بعد کسی اور عورت سے آپ کا نکاح نہیں ہوا۔

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

میری تائید میں خدا کے کابل اور پاک نشان بارش کی طرح برس
رہے ہیں اور اگر ان پیشگوئیوں کے پورے ہونے کے تمام گواہ اکٹھے
کیے جائیں تو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ساٹھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔

(اعجاز رضوی ص ۱)

آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری ہوئیں جن میں سے ہم میکہرام اور
احمد بیگ کی وفات میعاد معینہ میں ہے۔ بعض مناظرین نے انہیں بھی
جھٹلانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے دلائل اطمینان بخش نہیں اور ہمیں
ان سے اتفاق نہیں گو اس حقیقت سے یقیناً اتفاق ہے کہ صرف پیشگوئی
دلیل نبوت نہیں بن سکتی جناب مرزا صاحب نے نعمت اللہ کی پیشگوئی کا
بار بار ذکر فرمایا ہے۔ نیز عبد الحکیم کی پیشگوئی آپ کی وفات کے متعلق پوری
ہوئی۔ اور یورپ کے مشہور منجم شیرد کی تو تمام پیشگوئیاں پوری نکلیں۔
ملاحظہ ہو اس کی مشہور کتاب

”بشارات عالم“

لیکن ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا۔

الہامات

میں جب آپ کے الہامات پر نظر ڈالتا ہوں تو مختلف قسم کی حیرانیاں
مجھے گھیر لیتی ہیں۔

• اول۔ اللہ کی ازل سے یہ سست رہی ہے کہ وہ انبیاء پر ان کی
اقوام کی زبان میں وحی نازل کرتا رہا۔

وما از سألنا من رسول الا یسئنا قومیہ (قرآن)

اسم نے ہر رسول پر صرف اس کی قوم کی زبان میں وحی نازل کی تھی

یہاں حصر ہے ”صرف قوم کی زبان میں“ اور رسالت کی طویل تاریخ میں

ایک بھی استثناء موجود نہیں۔ اگر کوئی ہے تو بتائیے۔ لیکن چودھویں صدی میں

اللہ نے اپنی یہ عادت فوراً بدل ڈالی۔ اور جناب مرزا صاحب پر جو پنجابی تراویح تھے

عموماً عربی الہامات اتنا نا شروع کر دیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ قوم کی زبان

پنجابی تھی۔ عربی سمجھنے والے لاکھوں دو بھی نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ دھڑا دھڑ

عربی میں الہامات نازل کر رہا تھا۔

اس کی وجہ جناب مرزا صاحب یوں بیان فرماتے ہیں۔

یہی (عربی) ایک پاک زبان ہے۔ جو پاک اور کامل اور عاوم عالیہ کا ذخیرہ

اپنے مفردات میں رکھتی ہے۔ اور دوسری زبانیں ایک کثافت اور تاریکی کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے وہ اس قابل ہرگز نہیں ہو سکتیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل اور محیط کلام ان میں نازل ہو۔

(آریہ دھرم حاشیہ ص ۷)

”تسلیم کر لیا کہ عربی ایک پاک اور کامل زبان تھی۔ اور دوسری زبانیں کثیف و تاریک ہونے کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں تھیں کہ خدا تعالیٰ کا کامل و محیط کلام ان میں نازل ہوتا۔“

لیکن

پھر یہ کیا بات ہے کہ اسی خدا نے دیگر کثیف و تاریک زبانوں میں بھی سیکڑوں الہامات آپ پر نازل کئے جن سے آپ کی تصانیف بہرہ میں سمجھ میں نہ آیا کہ اللہ کو کوئی مجبوری پیش آئی تھی کہ اس نے ایک کامل اور پاک زبان کو چھوڑ کر تاریک و کثیف زبانوں میں بھی بولنا شروع کر دیا اگر حقیقتاً باقی تمام زبانیں کثیف و تاریک تھیں تو پھر آپ نے پوری بہتر کتابیں کثیف اردو میں کیوں لکھیں ہزار ہا اشعار کثیف فارسی میں کیوں تصنیف فرمائے اور زندگی بھر پنجابی جیسی تاریک زبان کیوں بولتے رہے۔

• دوم۔ مزید حیرت اس امر پر ہے کہ آپ کے الہامات میں عموماً قرآنی

آیات ہیں جن میں کہیں کہیں کوئی نیا پیر نہ لگا ہوا ہے۔ یہ قرآنی

آیات دوبارہ کیوں اتاریں کیا یہ قرآن سے غائب ہو چکی تھیں یا اللہ کے پاس

عربی الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا؟

• سوم۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ یہ پیوند فصاحت کے لحاظ سے قرآنی

آیات کے ہم سطح نہیں، مثلاً۔

هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

وتَهْذِيبِ الْاَخْلَاقِ ۝

”یہ تہذیب الاخلاق“ کا جوڑ کس قدر غیر قرآنی و اجنبی ہے۔

اَنْتَ صِنْتِى بِفَضْلِكَ وَلَدِى ۝

(تو میرے بیٹے کی جا بجا ہے)

یہ منزلت کا استعمال خالص پنجابی قسم کا ہے۔ اس الہام سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولاد بھی ہے۔ اسے اپنی اولاد سے

گہری محبت ہے اور وہ مسیح موعود سے کہہ رہا ہے کہ مجھ کو تجھ سے اتنی محبت

جتنی اپنے بیٹے سے۔ اللہ کی کوئی اولاد نہیں، جب مشبہ بہ ہی مفقود ہے

تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوئی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ زید عمر سے کہے۔

”میں تجھے اتنا ہی پسند کرتا ہوں جتنا اپنی تیسری آنکھ کو۔“

تیسری آنکھ ہوتی ہی نہیں اس لیے یہ تشبیہ غلط ہے۔

عربی زبان میں مؤنث و مذکر کے لیے جدا جدا افعال ہیں۔ اگر مخاطب

مرد ہو تو کہیں گے قل (کہہ) مؤنث ہو تو قولى۔ (فعل) (تو مرد یہ کام کر) (افعلی

(تو عورت یہ کام کر)

لیکن ایک الہام میں تمیز قائم نہیں رکھی گئی۔ قرآن کی ایک آیت تھی۔

يَا آدَمُ اسْكُنْ

آدم مرد تھا اس کے لیے اسکن ہی صحیح تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے
اکم البام میں مخاطب غور نہ ہے۔ اور فعل مذکر۔

یا صریح اسکن

مریم مونت ہے۔ اس لیے اسکنی چاہیے تھا۔ اگر یہ دو فقرے

۱۔ ماسی خدا بخش روٹی کھا رہی ہے۔

۲۔ بہن زینت بیگم چلا گیا ہے۔

غلط ہیں۔ تو پھر ”یا مریم اسکن“ کیونکر صحیح ہوا۔

میرے سامنے اس وقت اس طرح کی بے قاعدگیوں اور بوجھبیسوں

کی ستر سے زیادہ مثالیں پڑی ہیں جنہیں میں خوف طوالت سے نظر انداز
کرتا ہوں۔

۳۔ چہارم۔ جب کفار نے حضور علیہ السلام سے معجزات طلب کیے

تو آپ نے فرمایا۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۖ (قرآن)

کہ میں تو صرف انسان ہوں اور رسول بھی مطلب یہ کہ میرا

کام ابلاغ وحی ہے کرامات و معجزات دکھانا نہیں سارے قرآن کو الحمد

سے والناس تک پڑھ جائیے حضور علیہ السلام نے کہیں بھی اپنی رسالت

کے ثبوت میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اور نہ کوئی توحیدی کی۔ اگر کہا تو

صرف اتنا ہی کہ

”میں ولادت سے تمہارے درمیان رہ رہا ہوں۔“

میری زندگی پر نظر ڈالو۔“

یاد رکھو

”اگر اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک ہے تو ایک سورہ ہی بنا لاؤ۔“

لیکن دوسری طرف جناب مرزا صاحب کی بہتر تصانیف۔

۱۔ اثبات نبوت

۲۔ نشانات

۳۔ بشارات شکستہ کی تاویلات

۴۔ انعامی اشتہارات

۵۔ اور تازہ پیش گوئیوں

سے لبریز ہیں۔ رسول کا کام ابلاغ رسالت ہے نہ کہ بشارات و تاویلات

میں الجھ کر رہ جانا۔

۶۔ پنجم۔ بائبل میں گزشتہ انبیاء کے چھیا سٹھ صحائف شامل ہیں۔ پھر

بدھ۔ زرتشت۔ کرشن اور سقراط کی تعلیمات بھی دنیا میں

موجود ہیں۔ ان سب کا مطالعہ فرمائیے۔ آپ کو ان میں از ابتدا تا انتہا بلند اخلاقی

ہدایات۔ سیاسی ضوابط اور معاشی فلاح کے لیے بے بہا گروہیں گے۔ یہی

حال قرآن حکیم کا ہے۔ آپ اس میں عبادت۔ اقتصادیات۔ سیاسیات اور مطالعہ

کائنات پر مکمل۔ روشن اور لاتانی ہدایات پائیں گے۔ یہاں پیش گوئیوں کا جھگڑا

نہیں۔ تاویلات کا خرنشہ نہیں۔ انعامی اشتہارات کا چرچا نہیں۔ قیصر و کسریٰ کی

خوشامد نہیں کچھ بھی نہیں صرف انسانی اصلاح سے کام ہے وہیں اور
 دوسری طرف جناب مرزا صاحب کے الہامات میں ”جو بیس اجزاء مشتمل
 ہیں“۔ حیات انسانی کا کوئی لائحہ عمل نہیں ملتا۔ ان میں نہ صوم و صلوٰۃ
 کا ذکر ہے۔ نہ حج و زکوٰۃ کا۔ نہ مسائل نکاح و طلاق کا۔ نہ وراثت ارضی
 و تمکن فی الارض کا۔ نہ جہاد و صدقات کا۔ نہ حلال و حرام کا (الا صائغ
 اللہ) ان میں ہے کیا؟ ستر فی صدی مسیح موعود کی تعریف۔

تو میرا بیٹا ہے۔ میری نسل تجھ سے شروع ہوگی۔ تیری عمر
 اسی کے قریب ہوگی۔ میں اپنی نعمتیں تم پہ مکمل کر دوں گا۔ فتح قریب
 ہے تم کامیاب رہو گے اور اعدا ذلیل ہوں گے۔ تم ہمارے ہاں
 بہت بلند ہو۔ تم مسیح ابن مریم ہو۔ تم جیسا موتی نثار نہیں ہو سکتا
 خدا تجھے بچائے گا۔ ہم نے تجھے کوثر دیا۔ تم پر ہماری برکات
 نازل ہوں گی۔ تم الخلیفۃ السلطان ہو تمہیں ملک عظیم دوں گا۔
 اور باقی بشارات وغیرہ تاریخ انسانی کا یہ پہلا

واقعہ ہے کہ اللہ نے ایک رسول بھیج کر الہام کی ساری
 مشینری اس کے اوصاف تراشنے پہ لگا دی۔ اور مخلوق کو
 وہ بالکل بھول گیا۔

یہ تو جناب مرزا صاحب کی نوازش خاص سمجھیے کہ آپ نے
 اپنے کچھ اوقات اصلاح اخلاق کے لیے بھی وقف فرمائے اور چند صفحات
 تطہیر اخلاق پر بھی لکھ ڈالے ورنہ خدا نے تو ۱۸۶۵ء سے لے کر ۱۹۰۸ء

نیک شاید ہی کوئی الہام اصلاح خلق کے لیے نازل کیا ہو۔

ششم۔ جناب مرزا صاحب کا اردو اسلوب تحریر مولویانہ تھا ان معنوں میں کہ روایتی و سلاست کا خیال قطعاً نہیں رکھتے تھے علمائے مکاتب کی طرح بھاری بھاری الفاظ، توالی اضافات کے ساتھ استعمال فرماتے تھے جثووز وائد سے اجتناب نہیں کرتے تھے (تفصیل آگے) حروفِ عطف کی بھرمار سے جملے کا حلیہ بگاڑ دیتے تھے اجزائے جملہ کو شاذ و نادر ہی صحیح مقامات پر رہنے دیتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض اوقات ناکافی الفاظ کی وجہ سے بات مبہل سی ہو جاتی تھی۔

حیرت ہے کہ یہی تمام اوصاف ان الہامات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اردو، فارسی یا انگریزی میں آپ پہ نازل ہوئے، ایک دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ”آسمان سے بہت دُور اتر رہے محفوظ رکھ۔“
(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲)

دُور = دھواں۔

۱۔ یہاں یہ دُور کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اردو کے سادہ سے جملے میں فارسی کا یہ بھاری بھر کم لفظ گویا صحن چمن میں بھینسا باندھ دیا گیا۔ اور زیادہ عجیب یہ کہ دھواں ہمیشہ آسمان کی طرف جاتا ہے اور یہاں آنے کی خبر دی گئی ہے۔ ”اسے محفوظ رکھ“ کیا مطلب؟

۲۔ ”بہت سے سلام میرے تیرے پر ہوں۔“
(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۲)

یہ مضمون بہتر صورت میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ مثلاً

”تجھ پہ لاکھوں سلام

”تجھ پہ میرا سلام وغیرہ

فقرے کی موجودہ بناوٹ کافی مضحکہ خیز ہے

”بہت سے“ ”یاں“ سے ”کا کولنا موقعہ ہے؟

”میرے سلام“ کی جگہ ”سلام میرے“ کیوں؟ تقدیم مضاف الیہ کی کوئی وجہ

ہونی چاہیے۔

”تجھ پہ“ کی جگہ ”تیرے پر“ مہمل ہے ”تیرا“ ضمیر اضافت ہے اس

کے ساتھ مضاف الیہ کا ہونا ضروری ہے مثلاً تیرا کمرہ تیری کتاب تیرے

بھائی وغیرہ۔ اہل زبان نے ”تیرے نفس“ اور ”میرے نفس“ کے لیے ”تجھ“

اور ”مجھ“ کے الفاظ استعمال کر رکھے ہیں۔ اس لیے

اور یہ صحیح ہیں

یہ غلط ہیں

۱۔ وہ میرے کو کہتا تھا۔ ۱۔ وہ تجھ کو کہتا تھا۔

۲۔ وہ تیرے کو بلاتا ہے۔ ۲۔ وہ تجھ کو بلاتا ہے۔

۳۔ میں نے قلم تیرے کو دے دیا تھا۔ ۳۔ میں نے قلم تجھ کو دے دیا تھا۔

دیا تھا۔

دیا تھا۔

۴۔ تیرے پر سلام۔ ۴۔ تجھ پہ سلام۔

مان لیا کہ مرزا صاحب اچھی اردو نہیں جانتے تھے لیکن اللہ کو کیا ہو گیا

تھا کہ اس نے بھی غلط زبان کا استعمال شروع کر دیا تھا۔
 نہ صرف غلط بلکہ بعض اوقات مہمل بھی

الہامات غلط زبان میں

(۱)

(برائین ص ۴۱)

آخری فقرے کا ترجمہ یوں کیا ہے
 ”خدا کے کام
 بدل نہیں سکتے۔“
 (مکتوبات احمدیہ ج اول
 ص ۶۸)

(۲) (حقیقۃ الوحی ص ۲۰۴)

(۴)

(برائین حاشیہ ص ۵۵۶)

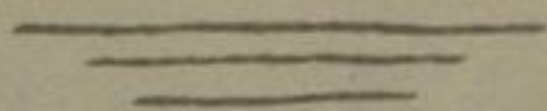
(۵) (برائین ج۔ دوم ص ۱۶۱) (مجاہد الوہاب)

(۶) (برائین ج۔ دوم ص ۴۸۴)

ہے کوئی فقرہ درست ان الہامات میں؟ یہ خدا کا کلام ہے اور کس قدر
مقام حیرت ہے کہ خدا انگریزی نہیں جانتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ
پانچویں جماعت کے کسی بچے کی انگریزی ہے۔
”سیرت المہدی میں“ درج ہے۔

جناب مرزا صاحب نے سیالکوٹ کی محترری کے زمانے میں ایک
ٹائٹ سکول میں انگریزی کی صرف ایک دو ابتدائی کتابیں پڑھیں۔
ملخص (حصہ اول ص ۱۳)

جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔
”یہ بالکل لغو اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصل زبان تو کوئی
اور ہو۔ اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔“
(چشمہ معرفت ص ۲۹)



عجیب الہامات

- ۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
 ”میں نماز پڑھوں گا اور روزہ رکھوں گا۔“
 (البشری ج ۲ ص ۷۹)
- ۲۔ ”تو ہمارے پانی سے ہے اور وہ ہندلی سے ہیں۔“
 (انجام آتھم ص ۵۵)
- ۳۔ ”بابو الہی بخش چاہتا ہے کہ تیرا حیض دیکھے۔“
 (تمتہ حقیقتہ الوحی ص ۱۴۱)
- ۴۔ حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی
 کہ کشف کی حالت اس طرح طاری ہوئی کہ گویا آپ عورت ہیں
 اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔
 (ٹریکٹ ص ۳۴ اسلامی قربانی مصنفہ قاضی یار محمد)
- ۵۔ (براہین احمدیہ ص ۴۸)
- ۶۔ ”ڈگری ہو گئی ہے مسلمان ہے۔“
 (براہین ج ۱ ص ۵۲۳)
- ۷۔ ”اے انلی ابدی خدا بیڑیوں کو کپڑے آ۔“
 (حقیقتہ الوحی ص ۱۰۴)

• ۸۔ ”زندگی کے فیشن سے دور جائیے ہیں۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۱۰۴)

• ۹۔ ”خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے۔“

۔۔۔۔۔ ایک آدمی میرے پاؤں چوم رہا تھا اور میں

کہہ رہا تھا کہ میں مجھرا سود ہوں۔“

(اربعین ص ۱۶ حاشیہ ص ۱۶)

• ۱۰۔ ”۵ مارچ ۱۹۵۵ء کو خواب میں ایک فرشتہ دیکھا جس نے اپنا

نام ”مچی مچی بتایا۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۲۳۲)

”اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام خیراتی تھا۔“

۱ حیات النبی ج ۱ اڈل ص ۹۵

• ۲۴۔ ”فروری ۱۹۵۵ء کو حالت کشفی میں جب کہ حضور کی طبیعت

ناساز تھی ایک شیشی دکھائی گئی جس پر لکھا تھا خاکسار میرمنٹ۔“

(مجموعہ الہامات و مکاشفات ص ۲۸ وحی مقدس)

• ۱۱۔ ”دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں۔“

(برہن ج ۲ روح ص ۴۶۹)

مہمل الہامات

خدا کی فیانگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔

(حقیقتہ الوحی ص ۹۶)

۲۔ ”بڑے تقوٰی سے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن خدا کی طرف سے سب

پر اس سی چھا جانے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ پھر تیرا واقعہ ہوگا

تمام عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا۔“

(حقیقتہ الوحی ص ۱۰۷ - ۱۰۸)

۳۔ فی سائل مقیاس۔ (حقیقتہ الوحی ص ۲۰۱)

۴۔ ایللی ایللی لما سبقتنی ایللی اوُس

(برہین ص ۵۱۲)

۵۔ ”ربنا حاج۔ ہمارا رب حاجی ہے۔“

(برہین ج دو۔ ص ۵۱۲)

۶۔ اشکر نعمتی راہت خدیجتی۔

(میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو دیکھ لیا۔)

(برہین ص ۵۵۵)

۷۔ ھو شعننا لغسا

(برہین ج دو۔ ص ۵۵۶)

۱۔ پریشن۔ عمر۔ پیراٹوس یعنی پٹراٹوس یعنی پلاٹوس۔
(مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۶۱)

جناب مرزا صاحب کا ارشاد ہے۔
”خدا تعالیٰ کا کلام لغو باتوں سے مُننرہ ہونا چاہیے۔“
(ازالہ اوہام ج۔ اول ص ۱۵۵)

(دسواں باب)

وُسْعَتِ عِلْم

جناب مرزا صاحب بار بار فرماتے ہیں کہ میری معلومات خدائی ہیں
اور میں نے علم براہ راست اللہ سے حاصل کیا ہے۔
سَمِّيتُكَ الْمُتَوَكِّلُ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا
(اے احمد! میں نے تیرا نام متوکل رکھا۔ اور تجھے اپنی طرف سے
علم سکھایا۔)

(ازالہ ص ۶۹۷)

وَعَلَّمَنِي مِنْ لَدُنْهِ وَاکْرَمُ ۝ (خطبہ الہامیہ ص ۱۶۳)

(اللہ نے مجھے اپنی طرف سے علم سکھایا اور عزت دی)

وَهَبْ لِي عِلْمًا مَقْرَسَةً نَقِيَّةً وَمَعَارِفَ صَافِيَةً جَلِيَّةً

وَعَلَّمَنِي مَا لَمْ يَعْلَمْ غَيْرِي مِنَ الْمَعَارِفِ ۝

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۵)

(اللہ نے مجھے پاک مقدس علوم نیز صاف و روشن معارف عطا کیے۔

اور وہ کچھ سکھایا جو میرے سوا کسی اور انسان کو اس زمانے میں

معلوم نہ تھا۔)

آئیے۔ ذرا "ان صاف درویشن معارف" کا جائزہ لیں۔

۱۔ سیرت مقدسہ کا سر طالب العلم اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ
 حضور علیہ السلام کے والد محترم آپ کی ولادت سے چند ماہ
 پہلے ایک تجارتی سفر میں فوت ہو گئے تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال
 پورے چھ برس بعد ہوا تھا۔ لیکن جناب مرزا صاحب اپنی آخری تحریر میں
 فرماتے ہیں۔ "تاریخ کو دیکھو کہ آنحضرت صلعم وہی ایک یتیم لڑکا تھا جس
 کا باپ پیدائش سے چند دن بعد ہی فوت ہو گیا۔ اور ماں صرف چند ماہ کا بچہ
 چھوڑ کر مر گئی تھی۔" (پیغام صلح ص ۱۹-۲۰)

مت بھولیے کہ یہ مرزا صاحب کی آخری تحریر تھی جو انہتر برس کے
 علمی مطالعہ کا نچوڑ تھی۔ پھر تحریر بھی اس ہستی کے متعلق جن کا ذکر ہر
 زبان پر اور ہر چار گھر میں ہے۔ اور واقعہ بھی ایسا جسے ہمارے لاکھوں وطن
 تیرہ سو برس سے گلی گلی سن رہے ہیں۔ اور جس سے ہمارے چھوٹے چھوٹے
 بچے بھی آگاہ ہیں حیرت ہے کہ جناب مرزا صاحب تاریخ نبوی کے اس مشہور
 ترین واقعہ سے بھی بے خبر نکلے۔

۲۔ خوارزم شاہی خاندان جس کا پایہ تخت خیوہ یا خوارزم
 (روسی ترکستان) تھا۔ ۱۱۷۱ء (۵۷۱ھ) میں برسرِ افکار
 آیا۔ اور ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) تک زندہ رہا۔ یہ کل آٹھ بادشاہ تھے۔ پہلا
 انوشنگین۔ اور آخری جلال الدین منکبرنی۔

خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی کہ ہذا خلیفۃ اللہ المہدی۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ (شہادت القرآن ص ۵۱)

اٹھائے بخاری۔ اور اندر اول تا آخر ہر سطر شہد جائے یہ حدیث نہیں ملے گی۔

”میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ لفظ اور حرف حرف کو زندگی بخشی ہے۔“

(ازالہ ص ۵۶۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے حکم دیا تھا اگر قوم میں کوئی جھوٹا نبی پیدا ہو جائے تو اسے قتل کر دو۔

لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہتے کائنات میں حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔

(استنباب ۱۱ آیت ۲۰)

لیکن جناب مرزا صاحب دلیل افترا کے سلسلے میں اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔

لیکن وہ نبی جو ایسی شرارت کرے کہ کوئی کلام میرے نام سے کہے جو کہ میں نے اس کا حکم نہیں دیا کہ لوگوں کو سناتا اور وہ جو کلام

کدے دوسرے معبودوں کے نام پر وہ نبی مر جائے گا۔

(ضمیمہ اربعین ۳ - ص ۸-۹)

کجایہ حکم کہ "قتل کیا جائے" اور کجایہ خبر کہ "مر جائے گا" بائبل کے تمام تراجم جو آج تک دنیا میں ہو چکے ہیں ملاحظہ فرمائیے یہ ترجمہ کہیں نہیں ملے گا۔ جناب مرزا صاحب عبرانی زبان سے نا آشنا تھے اور بائبل کے تراجم افراد نے نہیں بلکہ عبرانی علما کی پوری جماعتوں نے برسوں میں کیے تھے ان لوگوں نے ہر ہر لفظ کی پوری چھان بین کی تھی۔ ان کے ترجمہ کو مسترد کرنے کے لیے زبردست لغوی دلائل کی ضرورت ہے جو مرزا صاحب نے پیش نہیں فرمائے اور بغیر اس سند نیا ترجمہ پیش کر دیا ظاہر ہے کہ الیسا ترجمہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ"

(مصح موعود کوئی بات اپنے پاس سے نہیں کہتا۔ بلکہ اس کا کلام خدائی

وحی ہے۔)

(اربعین ص ۳۹)

جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی بیرونی

حالت گویا حسن میں رشک یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت

اپنی شوکت سے اسکندر یہ رومی کو شرمندہ کرتی تھی۔

(شہادت القرآن ص ۱۳)

یونان کے مشہور فاتح کا نام اسکندر تھا۔ اسکندر یہ نہیں تھا۔

اسکندر یہ مصر کا مشہور شہر ہے۔ بحیرہ روم کے ساحل پر جس کی بنا اسکندر اعظم نے

ڈالی تھی۔ ”میں زمین کی باتیں نہیں کہتا کیونکہ میں زمین سے نہیں

ہوں بلکہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے منہ میں ڈالا ہے۔“

(پیغام صلح ص ۳۲)

۷۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

”سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی ان کی خارقِ عادت زندگی اور

ان کے دوبارہ آنے کا ذکر نہیں۔“

(آسمانی فیصلہ ص ۵)

”قرآن مجید میں آنے والے مجدد کا بلفظِ مسیح موعود کہیں ذکر نہیں۔“

(شہادت القرآن ص ۶۵)

اور پھر فرماتے ہیں۔

”لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں

پوری ہوں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء

کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔ وہ اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے

قتل کے لیے فتوے دیئے جائیں گے۔“

(اربعین ص ۲۱)

قرآن میں ایسی پیش گوئی کہاں ہے۔ دوسرے زیادہ مرتبہ پڑھ

چکا ہوں۔ ایک لفظ تک مسیح و علماء کے تضادم کے متعلق میری نظر سے

منہیں گذرا۔ کیا کوئی احمدی عالم کوئی ایسی پیش گوئی دکھا کر میری جہالت

کو رفع فرمائیں گے؟

۹۔

ایک اور دلچسپ بات سنئے۔

”اور موتی کا کیرا بھی ایک عجیب قسم کا ہوتا ہے اور بہت نرم ہوتا ہے۔ اور لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں۔“

(چشمہ معرفت ص ۳۲۷)

ہے کوئی گویہ شناس جو اس نکتہ کی تائید کرے؟

ہم نے تو سن رکھا ہے کہ میٹر۔ بٹیر اور بھٹ میٹر کا گوشت

بڑا لذیذ اور صحت افزا ہوتا ہے لیکن آپ فرماتے ہیں۔

”بٹیر کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔“

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۱۳۲)

کیا کوئی ماہر طب اس پہ روشنی ڈالیں گے؟

آپ کا چوتھا فرزند مبارک احمد ۴ صفر ۱۳۱۷ھ کو بروز

چار شنبہ پیدا ہوا تھا اس کی پیدائش پہ فرماتے ہیں۔

”اور جیسا کہ وہ چوتھا لڑکا تھا اس حساب سے اس نے اسلامی

مہینوں میں سے چوتھا یعنی صفر اور ہفتہ کے دنوں میں چوتھا دن یعنی چار شنبہ

اور دن کے گھنٹوں میں سے بعد از دوپہر چوتھا گھنٹہ لیا۔“

(تریاق القلوب ص ۷۱)

اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے جس کا دوسرا مہینہ ہے صفر

لیکن آپ اسے چوتھا قرار دیتے ہیں۔ پھر اسلامی ہفتہ شنبہ سے شروع ہو کر

جمعہ پہ ختم ہوتا ہے

(گیارہواں باب)

نبی فصیح البیان ہوتا ہے

تجربہ شاید ہے کہ وہی فلسفی حکیم ادیب یا شاعر قبولیت عامہ حاصل کرتا ہے جس کا انداز بیان بہت شستہ۔ برجستہ۔ سلیس اور بلند ہو۔ مولانا آزاد کی ”آب حیات“ سعدی کی گلستاں اور حریری کی مقامات اسی لیے مقبول ہوئیں کہ یہ کتابیں فصاحت و بلاغت کا شاہکار تھیں۔

خود اپنے زمانے میں دیکھئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ علامہ نیاز فتحپوری ڈاکٹر احتشام حسین۔ احمد ندیم قاسمی۔ قتیل شفائی۔ علامہ مشرقی۔ جگر مراد آبادی جوش ملیح آبادی۔ مولانا ظفر علی خاں۔ امتیاز علی تاج وغیرہم کو دنیا کے علم و ادب میں اسی لیے مقام بلند حاصل ہے کہ ان کی انشا ادب۔ ترنم اور برجستگی کا دلنواز امتزاج ہے النماں فطرتاً حسن پسند واقع ہوا ہے۔ حسن کے مظاہر بے شمار ہیں یہ فضا میں یہ گھٹائیں یہ دریا یہ چشمے۔ یہ نغمے۔ یہ زمزمے یہ رنگین پھول یہ طبع چہرے یہ گنگنائے ہوئے شعر یہ لہراتے ہوئے جملے سب حسن کے نشیمن ہیں تاریخ کو دیکھئے

۱۔ عربی زبان میں فصاحت و بلاغت الگ الگ وصف ہیں۔ ہم نے اس بحث میں اس امتیاز کو نظر انداز کر دیا ہے۔ (مصنف)

کہ وہی خطیب و رہنما کامیاب ہوا جس کی تقریر میں ہم آہنگ اور تحریر میں موسیقی تھی جون آف آگ کی آتش بیانی نے سارے فرانس میں آگ لگا دی تھی۔ ہٹلر کی بلند تقریروں نے جرمنی کو فولا دی چٹان بنا دیا تھا۔ چرچل کے حیات انگیز خطبوں نے جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵) کا پانسہ پٹ دیا تھا۔ علامہ اقبال کی اعجاز سرائی نے دس کروڑ مسلمانوں میں آواز کی آگ بھڑکا دی تھی اور قائد اعظم کی آتش نوازی نے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کو جہنم دیا تھا۔ بات میں مدافعی و برجستگی نہ ہو تو قطعاً کوئی نہیں سنتا۔ خواہ آپ قرآن کلتر جمہ ہی کیوں نہ سنا رہے ہوں۔

فصاحت ایک نہایت کمیاب جوہر ہے جو کمر و ژوں میں سے ایک کو ملتا ہے۔ ہند و پاک کے پچاس کمر و ژ نفوس پہ نظر ڈالیں اور فرمائیے کہ ان میں فصیح البیان ادیب و خطیب کتنے ہیں۔ شاید آپ پچاس نام بھی نہ بتا سکیں یہی حال دیگر ممالک کا ہے۔

فصاحت ایک ایسی طاقت ہے جس نے دنیا میں ہزار ہا انقلاب بپا کیے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے اسلامی انقلاب پہ نگاہ ڈالیں یہ کس کا اعجاز تھا کہ شتر بان جہاں بان بن گئے تھے اور ان منتشر قطروں میں سمندروں کا جلال پیدا ہو گیا تھا۔ صرف فصیح و بلیغ قرآن کا جس کا ہر لفظ بجتا ہوا ساز تھا اور ہر دل گداز بات حضور علیہ السلام کے منہ سے نکل کر سیدھی دلوں میں جا بیٹھتی اور روح میں ایک آگ بھڑکا دیتی تھی۔ اگر قرآن جوہر فصاحت سے عاری ہوتا تو شاید کوئی کان اس کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ یہ قرآن کی روح افروز موسیقی کا اثر تھا کہ چند آیات سن کر نجاشی کے رخسار آنسوؤں سے

بھگ گئے تھے۔ فاروق کی تیغ خوں آشام و فراع اسلام کے لیے بنیام
ہو گئی تھی۔ اور قیصر روم نے مایوس ہو کر کہا تھا۔

”اگر عربوں کی حالت وہی ہے جو اے قاصد تم نے بیان کی ہے
تو سن لو کہ وہ بہت جلد اس زمین کے مالک بن جائیں گے۔ جو آج میرے
قدموں کے نیچے ہے۔“

داناؤں سے سنا ہے کہ قلم تلوار سے بڑی طاقت ہے لیکن کونسا قلم، وہ
قلم جو پھول برہانے پہ آجائے تو صحراؤں کو رشکِ ارم بنادے اور شعلے برہانے
لگے تو فضاؤں میں چنگاریاں دہکنے لگیں نہ وہ قلم جو بلند سے بلند تخیل کے پیٹ
میں چھرا بن کر پیوست ہو جائے۔

فصاحت کیا ہے یہ ایک طویل بحث ہے مختصراً یہ کہ الفاظ میں ترنم ہو
بندشوں میں چستی ہو۔ تحریر میں روانی ہو۔ کلام حشو و زوائد سے پاک ہو خلاف
مخاورہ نہ ہو۔ الفاظ موضوع کے مطابق ہوں۔ اگر خطیب کسی مجمع کو جانبازی کا
سبق دے رہا ہے تو اس کے کلام میں زور تسلسل ہیبت اور جلال ہو۔ اگر
کر بلا کا منظر کھینچ رہا ہے تو رقت سوز اور گداز ہو۔ ڈھیلی بندہ شہیں اور سست
ترکیبی بات کو نیم جان بنادیتی ہیں اور مخاطب کو مضحک۔ ذوق و غالب نے
بارہا ایک ہی مضمون پر قلم اٹھایا۔ چونکہ ذوق بے حد بد ذوق تھا۔ اس
لیے اس کا ہر تخیل مکمل گرا۔ اور غالب اپنے حسن مذاق حسن تخیل اور
حسن بیان کی بدولت ادب پر ستوں کا معبود بن گیا۔ فلسفہ زندگی پہ دونوں
جمع آزمائی کرتے ہیں۔ ذوق کہتا ہے

ذوق اس بحر فنا میں کشتی عمر رواں

جس جگہ جا کر لگی وہی کنسارہ ہو گیا

بحر زندگی "بحر فنا" کہنا۔ "جس جگہ جا کر" میں "میں جیم جمع کر دینا" وہی

کو "وہی" باندھنا۔ "بن گیا" کی جگہ ہو گیا ونا اور حرف ایک شعر میں "اس"

"رواں" اور "جا کر" جیسے تین زوائد (فالتوا الفاعل) بھر دنیا بد مذاقی کی انتہا ہے

دوسری طرف غالب زندگی کو ایک ایسے "رخش سرکش" سے تشبیہ

دیتا ہے جو سر پٹ بھاگا جا رہا ہے۔ دہشت زدہ سوار کے ہاتھ باگ پر نہیں اور

نہ پاؤں رکاب میں ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس سوار کی منزل کہاں ہو گی۔

اور انجام کیا۔

رو میں ہے رخس عمر کہاں دیکھیے تھے

نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

کسی فلسفی سے پوچھئے کہ زندگی کی کشتی صحیح تصویر کھیتی ہے اور کسی

ادیب سے پوچھئے کہ زور بیان اور رفعت تخیل کے لحاظ سے یہ کتنا فصیح شعر ہے۔

تو ہم کہہ رہے تھے کہ دنیا میں وہی ادیب و خطیب کامیاب رہتا ہے

جو وصف فصاحت کا حامل ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اعجاز فصاحت

عطا کیا تھا۔ جناب مرزا صاحب بھی فصاحت و بلاغت کی انقلابی طاقت سے آگاہ

تھے اور اسی لیے بار بار فرماتے ہیں۔

"فصار عونی فی فصاحتہ البیان"

(ضمیمہ تحفہ گوشت ویر)

(اللہ نے اپنے فضل سے مجھے فصیح البیان بنایا۔)
 ”إِنَّمَا أُوتِيتُ بِالْآيَاتِ وَالْقُوَّةِ الْقَدِيسِيَّةِ وَحُسْنِ الْبَيَانِ“
 (خطبہ الہامیہ ص ۲۲)

(اللہ نے مجھے نشانات دیے۔ نیز قوت قدسیہ اور حسن بیان کی نعمت عطا کی۔)

کلام اَفْصَحَتْ مِنْ لَدُنْ رَبِّ حَكِيمٌ
 (حقیقۃ الوحی ص ۱۲)

(میرے کلام کو رب حکیم نے فصیح بنایا۔)

جناب مرزا صاحب کے ارشادات پانچ زبانوں میں ملتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور پنجابی۔ پنجابی میں صرف ایک آدھ الہام ہے۔ انگریزی اقوال صفحات گزشتہ میں درج ہو چکے ہیں۔ عربی زبان میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے۔ خطبہ الہامیہ۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر۔ اعجاز المسیح اور چند دیگر قصائد و مقالات۔ آپ عربی زبان میں مہارت رکھتے ہیں۔ قلم برداشتہ لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں چونکہ کسی غیر زبان پر پوری قدرت حاصل کرنا دشوار ہے اس لیے یہاں بھی لغزشیں پائی جاتی ہیں کہیں فعل و فاعل میں تطابق نہیں کہیں ضمیر و مرجع میں ہم آہنگی نہیں۔ اور کہیں پنجابی محاورات کو عربی میں منتقل کر دیا ہے۔ یہ اعلاط کم سہی۔ لیکن موجود ضرور ہیں۔ تفصیل کا انتظار فرمائیے۔

آپ کا فارسی کلام عموماً اشعار پر مشتمل ہے۔ رنگ استادانہ ہے۔ مشکل زمینوں میں کامیابی سے اشعار کہتے ہیں۔ مضمون تصوف یا عشق رسول

ہے۔ اور کہیں کہیں ایسے اشعار بھی آجاتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ بعض اشعار میں اقبال کا رنگ اور فلسفہ جھلکتا ہے۔ مثلاً

از یقین مایہ نمایہ عالمے
 کال نہ بیند کس بعد عالم ہے (برائین)
 (یقین سے وہ عالم پیدا ہو جاتا ہے جس کی مثال سو دنیاؤں
 میں نہیں مل سکتی) (یا)

چو شام پر غبار و تیرہ حال عالمے بنم
 خدا بروے فرود آرد دعا ہائے سحر گاہم (برائین)
 (غبار آلود شام کی طرح دنیا تار یک ہو رہی ہے خدا ان ظلمتوں
 پر میری دعا ہائے سحر نازل کرے۔)

زبان و تخیل کے لحاظ سے خوب شعر ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ غیر زبان میں
 لکھتے وقت اغلاط سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آپ کا فارسی کلام بھی لغزشوں
 سے خالی نہیں۔ باقی رہا آپ کا اردو کلام۔ تو اس پر ہم قدم سے بسط کے ساتھ
 نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ محلِ الفاظ

دائرہ ذیل میں چند الفاظ بے ترتیبی سے بھرے ہوئے ہیں

- محمود
- خالد لاہور
- گیا سے
- ملنے

ان الفاظ کو کئی طرح ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً

۱۔ خالد لاہور سے گیا ملنے محمود

۲۔ لاہور خالد سے ملنے گیا محمود

۳۔ گیا لاہور ملنے محمود خالد سے

قس علیٰ ہذا۔ اور یہ سب صورتیں غیر فصیح کہلائیں گی۔ اس لیے کہ اجزائے

جملہ اپنے محل پر نہیں۔ اردو میں فعل آخر میں ہوتا ہے۔ فاعل پہلے اور دیگر

متعلقات بعد میں۔ ”چونکہ ملنا“ لاہور میں پہنچنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لیے

لاہور کا ذکر پہلے آنا چاہیے۔ تو ان الفاظ کی صحیح ترتیب یہ ہوگی۔

محمود خالد سے لاہور ملنے گیا

”لاہور“ کے بعد ”میں“ اور ”ملنے“ کے بعد ”کے لیے“ ایجاز (اختصار) کی

خاطر حذف کر دیئے گئے۔ کہ ایجاز جانِ فصاحت ہے۔

دوسری مثال :- ”مارا محمود کو ملیں نے۔“

اس جملے میں ”مارا“ فعل ہے جس کا صحیح مقام آخر میں ہے ”میں“
فاعل ہے اور محمود مفعول۔ فاعل مفعول سے پہلے ہونا چاہیے۔ اس لیے
جملے کی صحیح صورت یہ ہے۔

”میں نے محمود کو مارا۔“

صحت فصاحت کی بنیاد ہے اگر کسی فقرے میں قواعد کی اغلاط موجود
ہوں تو وہ فصیح ہو ہی نہیں سکتا۔ ان الفاظ پر غور فرمائیے۔ فلاسفہ۔ فلاطونی۔
گروہ۔ خیر محض۔ علم۔ صرف۔

سب کے سب فصیح الفاظ ہیں۔ ان کی ترتیب اس طرح بھی ہو سکتی
ہے۔ ”فلاسفہ کا فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتا ہے۔“

اور اس طرح بھی۔

”فلاسفہ کے فلاطونی گروہ صرف علم کو خیر محض سمجھتے ہیں۔“

پہلا جملہ فصیح ہے اور دوسرا غیر فصیح۔ اس لیے کہ دوسرے میں جمع و مفرد
اور مؤنث و مذکر کی تمیز قائم نہیں رکھی گئی۔

تو گویا فصاحت کے لیے ضروری ہے کہ کلام اغلاط سے مبرا ہو اور ہر
لفظ اپنے صحیح مقام پر ہو۔ جب ہم جناب مرزا صاحب کی تحریرات کو اس نقطہ نظر
سے دیکھتے ہیں تو اندازاً پچاس فیصد ایسے جملے ملتے ہیں جن کی ترتیب فطری
نہیں۔ چند امثلہ ملاحظہ ہوں۔

اور ایک جماعت محققین کی بھی یہی معنی آیت موصوفہ بالا

کے لیتی ہے۔ (ازالہ ص ۴۲۶)

اردو میں مضاف الیہ ہمیشہ پہلے آتا ہے لیکن یہاں مضاف ایک جماعت پہلے ہے۔ اسی طرح ”یہی معنی“ (مضاف) ”آیت موصوفہ“ (مضاف الیہ) سے پہلے مذکور ہوا۔ ”موصوفہ“ میں ”بالا“ کا مفہوم موجود ہے اس لیے ”بالا“ زائد ہے۔ جملہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

”اور محققین کی ایک جماعت بھی آیت موصوفہ کے یہی معنی لیتی ہے۔“
”خدا تعالیٰ کے ساتھ ان لوگوں کو نہایت کامل وفاداری کا تعلق ہوتا ہے۔“

(ازالہ ص ۴۲۶)

”کو“ علامت مفعول ہے نہ کہ نشانِ اضافت۔ اس لیے یہاں ”کا“ چاہیے۔ کے ”ساتھ“ کی جگہ ”سے“ کافی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ شیعہ کی روایات کے بعض سادات کرام کے کشفِ لطیف پہ بنیاد معلوم ہوتی ہے۔

(ازالہ ص ۴۵۷)

”اصل بات“ کے ساتھ ”معلوم ہوتی ہے“ بے معنی ہے کیونکہ وہ مظہر یقین ہے اور یہ مجزاشتباہ۔ باقی فقرہ مہمل ہے ”بنیاد“ مضاف ہے اور روایات مضاف الیہ دونوں میں سات الفاظ حامل ہیں۔ یہ انفصال علمائے فصاحت کے ہاں ناروا ہے۔ جملے میں ”کے لیے“ کی تکرار ذوقِ تراش ہے فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ شیعہ روایات کی بنیاد بعض سادات کرام کے
کشفِ لطیف پر رکھی گئی ہے۔

۳۰۔ کہ میری اس تجویز کے موافق جو میں نے دینے چندہ کے

لیے۔ سالہ مذکورہ میں لکھی ہے۔ (ازالہ ص ۴۷۲)

ملاحظہ کی یہ ترکیب ”دینے چندہ کے لیے“

گو جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں اس طرح کی ہزار ہا مثالیں موجود
ہیں۔ لیکن ہم صرف انہی امثلہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ ثقیل الفاظ

جس طرح ایک ساز سے دو قسم کے سُر نکلتے ہیں، لطیف و ثقیل اسی
طرح الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، ہلکے اور بھاری۔ یا یوں سمجھیے کہ بعض الفاظ
مترنم ہوتے ہیں۔ جیسے تبسم۔ روان۔ عیاں دواں۔ قائم دائم وغیرہ۔ اور بعض غیر
مترنم مثلاً کچھو۔ بدھو۔ اکاڑی۔ پچھاڑی۔ پنگیڑ۔ بھوت۔ بھوکا۔ لکڑ۔ گکڑ وغیرہ
دیدہ سے نینن۔ محبت سے پریم۔ کشتی سے نیا۔ سمندر سے ساگر۔ پہاڑ سے کوہ
قطرے سے بوندی۔ عشق سے پیت اور معشوق سے پیتم۔ ہلکے اور سُریلے
الفاظ ہیں۔ ادیب کا فرض ہے کہ وہ تحریر میں ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کرے

اور ثقیل و کثیف الفاظ سے بچے ”علما و حکما اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔“

اس مضمون کو ایک مولانا صاحب یوں ادا فرماتے ہیں۔

علمائے محققین و حکمائے مدققین و حاملین علم المعرفت والیقین و دانایان
اسرار شریع متین پر یہ حقیقت عامضہ کا لشمس واضح و مبہر ہے۔
یہ تو خیر گذری کہ مولانا نے الفاظ کو اپنے صحیح مقامات پہ رہنے دیا ورنہ
وہ مغلوبہ تیار ہوتا کہ عمر بھر سمجھ میں نہ آتا۔

لطیف و مترنم الفاظ کا انتخاب ذوق سلیم کا کام ہے۔ ادبی مذاق جتنا
بلند ہوگا۔ انتخاب اتنا ہی اچھا ہوگا۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد کو
بدطولی حاصل ہے۔ ایسے ہلکے پھلکے شیریں اور قیسیم الفاظ چنتے ہیں کہ صفو قرطاس
دامان گل فروش بن جاتا ہے یہی حال ندیم و اختر شیرانی کا ہے میں ان کی نظمیں
پڑھتا ہوں تو یوں محسوس کرتا ہوں گویا غم کی دیوی ستار بجا رہی ہے اور فضا میں
ترانے انڈیل رہی ہیں۔ کیا یہی کیف و سرور جناب مرزا صاحب کے ہاں بھی موجود
ہے؟ نہیں۔ وہاں ادبی رنگینیاں نام کو نہیں۔ وہی علمائے مکاتب کا کھر در اسٹائل
لمبے لمبے غیر مربوط جملے اور ثقیل الفاظ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جب ہم اپنے نفس سے بکلی فنا ہو کر دردمند دل کے ساتھ

لا یدرک وجود میں ایک گہرا غوطہ مارے ہیں۔ تو ہماری بشریت

الوہیت کے دریا میں پڑنے سے عند العود کچھ آثار و انوار اس عالم

کے ساتھ لے آتی ہے۔

ان کی اخلاقی حالت ایک ایسے اعلیٰ درجہ کی جاتی ہے جو تکبر اور
 نخوت اور کمینگی اور خود پسندی اور ریاکاری اور حسد اور بخل اور تنگ دلی
 سب دور کی جاتی ہے اور انشراح صدر اور لبثاشت عطا کی جاتی ہے۔
 (ازالہ ص ۴۴۵)

”اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ اور بچاؤ اور مشق اور منہ زنی اور
 استعمال قواعد مقررہ فصاحت منطوق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل
 علمیہ اس کو مستحضر ہو گئے ہیں۔“
 (برہین ص ۱۴۴)

آپ کا اسلوب بیان از سر تا پا سست بند شتوں، غیر مربوط جملوں
 اور ثقیل ترکیبوں کا ایک غیر ختم سلسلہ ہے۔

۳۔ تکرارِ الفاظ

علمائے فصاحت کا یہ فیصلہ ہے کہ ایک ہی لفظ کا بار بار اعادہ
 کلام کو پایہ فصاحت سے گرا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ لطیف المذاق شعرا ایک
 غزل میں کسی قافیہ کو دوبارہ نہیں باندھتے اور جہاں تک ممکن ہو کسی جملے میں
 ایک ہی لفظ کے اعادہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ ہاں بعض مقامات پر ترنم
 یا زور پیدا کرنے کے لیے ایک لفظ کو دہرایا جاتا ہے مثلاً :-

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں (غالب)

برسات کا ایک منظر ملاحظہ ہو :-
مستی سیمیں ہر سولرزاں پتی پتی کیف بداماں
ہلکی ہلکی بوندیں برسین گلشن گلشن نغمہ رقصاں
سبزہ انجھرا دھانی دھانی
دنیا ہے رنگین کہانی

ہلکی ہلکی آئی ہوائیں ہلکی ہلکی چھائی گھٹائیں
دہکا دہکا رنگ گلستان بھگی بھگی مست فضاں
ذرہ ذرہ محو تبسم
فطرت میں نغموں کا تلاطم

(مصنف کے دور شاعری کی یادگار)

رخت بہ کاشمیر کشاکش کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں ہیں لالہ چمن چمن نگر (اقبال)

یوں کہہ لیجئے کہ تکرار کی دو صورتیں ہیں۔ طبع و قبیح۔ اقتباساتِ ذیل
میں تکرار کی کوئی قسم ہے۔ فیصلہ آپ پہ چھوڑتا ہوں۔

بوڑھے ہو کر پرانہ سالی کے وقت میں -----

(دیباچہ برائین ص ۵)

بڑھاپا اور پرانہ سالی مترادف ہیں۔ اردو میں ”وقت“ کے ساتھ
”میں“ مقدر ہوتا ہے۔

”دوپہر کے وقت“۔ ”شام کے وقت“ صحیح ہے۔ اور ”دوپہر کے
وقت میں“ غلط ہے۔

”ائمہ اربعہ کی شہادت گواہی دے رہی ہے۔“

(تحفہ گوٹروید ص ۹)

شہادت کے معنی بھی گواہی ہیں۔

چنیں زمانہ چنیں و دریں چنیں برکات

تو بے نصیب روی وہ چہ اس شقا باشد

(تریاق ص ۵)

چنیں کی گردان ملاحظہ ہو۔

”در حقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں۔ جو ایک لایہ رک بھید
کے طور پر جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی۔“

(ازالہ ص ۴۴)

”لایڈرک“ بھید کے معنی ہی ہیں۔ وہ راز جس کی تہ تک انسانی

عقل نہ پہنچ سکے۔ تو پھر ”جس کی تہ تک انسان کی عقل“

کی ضرورت؟

اگر کئی مرکباتِ عطفی ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ تو صرف آخری معطوف
سے پہلے واؤ لاتے ہیں۔ مثلاً۔

”میں نے بازار سے کتاب۔ قلم۔ پینسل۔ چاقو اور
دوات خریدی۔“

لیکن جناب مرزا صاحب ”اس سنتِ حسنہ“ کو خاطر میں نہیں لاتے
براہین کا وہ جملہ پھر پٹہ پھیلے اور گنیے کہ ایک فقرے میں اور کتنی
مرتبہ اعادہ ہوا۔

”اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ بچار اور مشق اور مغفرائی
اور استعمال قواعدِ مقدرہ ضاعتِ منطق کے بہت سے حقائقِ علمیہ اور
دلائلِ لقیہ اس کو مستغفر ہو گئے ہیں۔“

۴۔ توالیِ اضافت و توصیف

یہ ایک فنی اصطلاح ہے۔ توالی کے معنی ہیں تسلسل اور تواتر۔ ادب
اردو میں یہ سنت قائم ہو چکی ہے کہ نثر میں ایک سے زیادہ اضافت یا توصیف روا
نہیں۔ ”اوراقِ تاریخ، فضائے گردوں اور لالہ صحرا“ تو درست ہیں۔ لیکن اوراقِ
تاریخ۔ عصر کہن۔ فضائے نیلخام گردوں اور لالہ تنہائے صحرا درست نہیں۔

۲۰۔ کانوں سے سُن رہا ہے۔

۲۱۔ اور پاؤں سے چل رہا ہے۔

درست نہیں۔ ان جملوں میں ”منہ سے کانوں سے اور پاؤں سے“ فالتوا الفاظ ہیں۔ اسی طرح اس جملے میں۔

”اس کے پاؤں میں تو بس خدا جانتا ہے کہ ایک چکر سا ہے“
 ”تو بس خدا جانتا ہے کہ ایک چکر سا ہے“ سب بیکار اور زائد الفاظ ہیں۔
 ذوق کے اس شعر میں :-

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات

ہنس کر گزار یا اسے رو کر گزار دے

”طبعی“ اور ”گزار“ فالتو ہیں۔

جناب مرزا صاحب کے کلام میں حشو و زوائد کی وہ بھرمار ہے کہ اگر ایسے تمام جملے جمع کر دینے جائیں تو دس ضخیم مجلدات تیار ہو جائیں۔ یہاں صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔

۱۰۔ سو بعد اس کے قرآن قیامت کے آنے پر اپنے اعجازی بیانات اور تاثیراتِ احیائے موتے سے دلیل محکم قائم کر رہا ہے۔
 (ازالہ ص ۴۲)

اس میں فالتوا الفاظ یہ ہیں :-

۱۔ سو بعد اس کے کہ	ایک لفظ ”جب“ کافی تھا۔
۲۔ اپنے اعجازی بیانات	”اپنے“ بیکار ہے۔ ”اعجازی بیانات“

اور تاثراتِ احیائے موتے

اور تاثراتِ احیائے موتے

مہمل و بے ربط ہونے کے علاوہ

توالی اضافات سے بھی داغدار ہیں۔

۲۰ • اجماع ان امور پر ہوتا ہے جن کی حقیقت بخوبی سمجھی گئی اور
دیکھی گئی اور دریافت کی گئی۔ اور شارع علیہ السلام نے ان
کے تمام جزئیات سمجھا دیئے۔ دکھا دیئے۔ سکھلا دیئے۔

(ازالہ ص ۴۲۷)

خط کشیدہ جملے بیکار ہیں۔ ان کے تمام جزئیات "جزئیات" مومنٹ
ہے۔ اس لیے کی چاہیے۔ یہ جزئیات دکھانا اور سکھانا مہمل ہے۔

۲۱ • پھر جب ہم اس آیت پر نظر ڈالیں کہ جو اللہ جل شانہ قرآن شریف
میں فرماتا ہے۔
(ازالہ ص ۴۲۷)

کیا کوئی آیت ایسی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو تو پھر کہ جو اللہ
جل شانہ قرآن میں فرماتا ہے "کی ضرورت؟

یہ ابتداء میں "پھر" کی کیا حاجت تھی اور یہ کہ جو "کا" و "گجور" کا خوب ہے
اسم موصول جو آدمی جس کتاب وغیرہ سے پہلے کہ استعمال معیوب
ہوتا ہے۔ "ڈالیں" کی جگہ ڈالتے ہیں "چاہیے" یہ مضمون ان الفاظ
میں ادا ہو سکتا تھا

ہم جب اس آیت پہ نظر ڈالتے ہیں تو -----

”اگر کشتی دین کی ان کی نظر کے سامنے ساری کی ساری ڈوب جائے۔“

(براہین دیباچہ ب)

انحلاط کی تفصیل :-

۱۔	کشتی دین کی	دین کی کشتی چاہیے۔
۲۔	کی نظر	زائد
۳۔	ساری کی ساری	بیکار ”ڈوبنے“ کا مفہوم ہی یہی ہے
		کہ کوئی چیز پانی میں چھپ جائے۔

۶۔ محاورہ

محاورہ اہل زبان کی بول چال اور اسلوب بیان کا نام ہے جس کی پابندی لازمی ہے اہل زبان ”نعم کھانا“ کہتے ہیں۔ ”نعم پینا“ نہیں کہتے۔

اسی طرح :-

۱۔	نقل اتارنا	صحیح ہے اور	نقل کھینچنا	غلط ہے
۲۔	بات کاٹنا	” ” ”	بات چیرنا	” ”
۳۔	ٹھوکر کھانا	” ” ”	ٹھوکر پینا	” ”
۴۔	تین پانچ کرنا	” ” ”	تین سات کرنا	” ”

- ۵۔ لنگوٹی میں پھاگ کھینا صحیح ہے اور تیلوں میں پھاگ کھینا غلط ہے
- ۶۔ دل لگی " " " " آنکھ لگی " " " "
- ۷۔ دل میں چور بیٹھنا " " " " دل میں ڈاکو بیٹھنا " " " "
- ۸۔ دھونس دینا " " " " دھونس مارنا " " " "
- ۹۔ کانوں کان خبر نہ ہونا " " " " کانوں کان خبر نہ ہونا " " " "
- ۱۰۔ کس باغ کی مولیٰ " " " " اور کس باغ کا کدو " " " "

جناب مرزا صاحب محاورہ کے بھی پابند نہیں ہیں۔ مثلاً :-

- ۱۔ ایسے لوگوں کی اندرونی حالت ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنی مفلسی ظاہر کرتی ہے۔ (ازالہ ص ۴۲۲)

محاورہ ہے "کسی کے آگے ہاتھ پھیلا نا" یعنی سوال کرنا۔ ہاتھ پھیلا پھیلا کر مفلسی ظاہر کرنا " بے معنی ہے۔

- ۲۔ فارسی میں ایک محاورہ ہے "دروغ بافتن" اور اردو کا محاورہ

ہے "جھوٹ گھڑنا" جھوٹ بنانا یا جھوٹ کے پل باندھنا۔

لیکن جناب مرزا صاحب ایک نیا محاورہ پیش فرماتے ہیں۔

"یہ دروغ بے فروغ اسی حد تک بنایا گیا تھا۔"

(ازالہ ص ۵۲۶)

دروغ بننا کوئی محاورہ نہیں۔

۳۰ اردو میں ذرا اور ذرہ دو علیحدہ لفظ ہیں

ذرا - مٹھوڑا - کم - ایک لمحہ

ذرا ٹھہر تو سہی -

ذرا ہوش میں آؤ -

ذرا عقل کے ناخن لو -

ذرہ جمع ذرات اجزائے غبار

ذرہ بے مایہ - ذرہ خاک

ذرہ بھر

اس فرق کو سمجھنے کے بعد اب یہ فقرہ دیکھئے :

قرآن کریم نے حضرت مسیح کے وفات کے منکروں کو ایسی ترک

دی ہے کہ اب وہ ذرہ نہیں ٹھہر سکتے

”وفات“ مذکور ہے یا مونت اسے جانے دیجئے۔ صرف یہ دیکھئے کہ آخری

جملے میں ”ذرہ“ کا مفہوم کیا ہے اور اس کا یہ استعمال کہاں تک صحیح ہے؟

”لگ جانا“ ایک عام فعل ہے جس کے مفہوم سے ہر کوئی

واقف ہے۔ مثلاً نظر لگ جانا۔ بیماری لگ جانا۔ کپڑے کو

مٹی لگ جانا۔ کیر لگ جانا۔ یہ محاورات اردو اور پنجابی دونوں میں استعمال

ہوتے ہیں اور انہیں سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ لیکن جناب مرزا صاحب

کی ایک وحی میں اس لفظ کا استعمال کچھ اس طرح ہوا ہے کہ کچھ بھی پے نہیں پڑتا

اللہ فرماتا ہے :-

”میری رحمت تجھ کو لگ جائے گی۔ اللہ رحم کرے گا۔“

(تمتہ حقیقتہ الوحی ص ۱۸)

کیا رحمت کوئی بیماری ہے جس سے محفوظ رہنے کی بشارت دی جا رہی ہے یا دھمکایا جا رہا ہے کہ اے میرے نبی! تو اس وقت میری رحمت سے بچ نہیں سکتا۔ البتہ! آخر میں تم پر رحم کیا جائے گا۔ اس طرح کے کئی اور الہام بھی ہیں جن کی زبان غلط ہے۔

مثلاً:-

”پھر بہار آئی تو آنے تلج کے آنے کے دن۔“

لفظ ”تلج“ اردو میں قطعاً استعمال نہیں ہوتا پھر تلج یعنی برف آتی نہیں بلکہ برستی ہے مزید یہ کہ برف باری سردیوں میں ہوتی ہے نہ کہ بہار میں ایام بہار میں برف پگھلنے لگ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وجہ سے فضا میں سرد ہو جائیں اور بہار میں بھی (ایک آدھ دن برف برسنے لگے۔ لیکن بہار کے دن برف باری کے نہیں بلکہ برف گراؤ کے دن ہوتے ہیں اس لیے اس الہام کی زبان خلاف محاورہ اور مضمون خلاف حقیقت ہے۔

یا یہ الہام:-

”تو در منزل ما چو بار بار آئی“

خدا ابر رحمت بہار پیدا کرنے

(حقیقتہ الوحی ص ۲۷۷)

پہلا مصرعہ بے وزن ہے، وزن قائم رکھنے کے لیے ”بار بار کو بار بار“
پڑھنا ہوگا جو مصرعہ غلط ہے۔

جس طرح خود مرزا صاحب کی زبان ڈھیلی ڈھیلی۔ خلاف محاورہ
عموماً غلط اور کہیں کہیں مہمل بھی ہے۔ یہی حال آپ کے الہامات کا ہے اس
سے ایک غیر جانبدار نقاد ہر حرف ایک ہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ الہامات و
مقالات سب ایک ہی دماغ کی پیداوار ہیں۔

۷۔ فارسی توصیف و اضافت و حروف فارسی

فارسی مرکب توصیفی میں موصوف پہلے ہوتا ہے۔ مثلاً۔
بادِ خنک۔ گلِ سُرخ۔ زلفِ دراز۔ آبِ شیریں اور مرکبِ اضافی میں
مضاف پہلے۔ مثلاً۔

گلِ لالہ۔ سروچمن۔ شاخِ گل۔ نوائے عنادل۔

قاعدہ۔ فارسی توصیف و اضافت صرف فارسی یا عربی الفاظ میں ہو
سکتی ہے۔ اگر ایک لفظ ہندی ہو۔ یا دونوں۔ تو اس صورت
میں ہندی توصیف و اضافت سے کام لینا پڑے گا۔ اردو میں صفت پہلے ہوتی
ہے۔ مثلاً۔ ٹھنڈا پانی۔ اونچا پیڑ۔ رسیلی آنکھیں اور مرکبِ اضافی میں مضاف
الیہ پہلے۔ مثلاً۔ رام کا بن۔ تاج کا ہیرا۔ مور کی کلغی۔

اگر مرکب کا ایک جزو یا دونوں اجزاء بندری ہوں۔ تو ان میں فارسی
توصیف و اضافت جائز نہیں۔

اس لیے

پائے خر	صحیح ہے اور	لت گدھا غلط ہے
گل آب	صحیح ہے اور	پھول کلاب صحیح ہے
درق گل	صحیح ہے اور	ورق سونا صحیح ہے
آب خنک	صحیح ہے اور	پانی ٹھنڈا صحیح ہے
آدم دراز	صحیح ہے اور	آدم لمبا صحیح ہے
یوم مبارک	صحیح ہے اور	دن مبارک صحیح ہے

یہی حال فارسی حروف کا ہے۔ کہ وہ بھی فارسی الفاظ پہ داخل
ہوتے ہیں۔ مثلاً:-

روز بروز	صحیح ہے اور	دن بدن غلط ہے
شب و روز	صحیح ہے اور	رات و دن صحیح ہے
از روز تا شب	صحیح ہے اور	از دن تا رات صحیح ہے
علی الاعلان	صحیح ہے اور	علی الذہنی صحیح ہے
بغض	صحیح ہے اور	بہ ہمت صحیح ہے
از راہ کرم	صحیح ہے اور	از راہ کرمیا صحیح ہے
برائے فروخت	صحیح ہے اور	برائے بیچنا صحیح ہے

ان مقدمات کے بعد جناب مرزا صاحب کے اقوال ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ ہر ایک دانا کی نظر میں قابلِ ہنسی ہے۔“

(ازالہ ص ۸۷)

قابلِ عربی ہے اور ہنسی ہندی

۲۔ ایک نشان آسمان کا لے لیں۔ یعنی مہینہ رمضان کا خسوف و کسوف۔

(تحفہ گوٹرو یہ ص ۶۴)

مہینہ ہندی ہے اور رمضان عربی

۳۔ خدا نے بے باپ پیدا ہونے میں حضرت آدم سے حضرت مسیح کو

مشابہت دی۔ (تحفہ گوٹرو یہ ص ۱۱۵ حاشیہ)

۴۔ گورنمنٹ محسنہ انگریزی کو بہ وقت یہ خلاف واقعہ خبر کر دی۔

(ترباق ص ۳۴۸)

گورنمنٹ، انگریزی، محسنہ، عربی۔

۵۔ اگر کسی فارسی یا عربی لفظ کی جمع ہندی طریقے پہ بنائی جائے۔

مثلاً مسجد سے مسجدوں اور کتاب سے کتابوں۔ تو ایسی جمع اردو

کا لفظ تصور ہوگی اور فارسی توصیف و اضافت یہاں بھی ناجائز

ہوگی۔ اس لیے محراب مساجد درست ہے اور محراب مسجدوں غلط

لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

”قلت بارشوں سے تو صرف غیر نہری فصلوں کا نقصان مقصود

ہے۔۔۔۔۔“ (تتمہ حقیقتہ الوحی ص ۴۴)

”یہ حصہ تو کثرتِ بارشوں کے متعلق ہے۔“

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۵۴)

۸۔ تذکیر و تائید

ہر زبان میں بعض اشیاء تذکرہ ہوتی ہیں اور بعض مؤنث اور تحریر و تقریر میں اس امتیاز کو قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے چند سال ہوئے مجھے ایک پٹھان لیڈر کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ اس کی زبان کچھ اس قسم کی تھی۔

”خوچہ قائدِ اعظم کہتی ہے کہ وہ کشمیر کی خاطر ٹرے گی۔ ہمارا یہ بادشاہی

خہ اپنا ہے۔ ہم اس پر خود بیٹھ کر سوچے گی۔ وغیرہ وغیرہ۔“

بہمیدہ لوگ اس تقریر پر ہنس رہے تھے کیوں؟ صرف اس لیے کہ فاضل مقرر نہ وہ مادہ میں تمیز کرنا نہیں جانتا تھا۔ جناب مرزا صاحب کی لقمانیف میں بھی یہ امتیاز بہت کم قائم رکھا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ صرف دو سبیل ہیں تیسیر اکوئی سبیل نہیں۔ (ازالہ ص ۵۴)

سبیل مؤنث ہے۔

۲۔ بعض نے تیرے کلام کے بتیات تیرے کلام

کے دلالات “ (ازالہ ص ۵۶)

بتیات مؤنث ہے اور خدا جانے یہ دلالات کیا چیز ہے؟

۳۔ صحیح حدیث سے مسیح کی ظہور کا کوئی زمانہ “ (ازالہ ص ۵۶)

ظہور مذکور ہے۔

۴۔ اور جیسی موسوی شریعت کا ابتدا موسیٰ سے ہوا۔

(ازالہ ص ۶۴۸)

جیسے چاہیئے۔ ابتدا مؤنث ہے۔

۵۔ آیات صغریٰ تو آنحضرت صلعم کے وقت مبارک سے ہی

ظاہر ہونے شروع ہو گئی تھیں۔ (ازالہ ص ۶۸۳)

آیات مؤنث ہے۔ لیکن فعل آدھا مذکر ہے اور آدھا مؤنث۔

۶۔ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں۔

(دیباچہ برائین ص ۷)

قیمت مؤنث ہے۔

۷۔ اس کی مرض انتہا کو پہنچ گئی۔ (برائین ۲۔ دورح ص ۲۲۷)

مرض مذکر ہے۔

۸۔ زبان خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے جس طرح اور جس

طرف چاہتا ہے۔ اس آلہ کو یعنی زبان کو پھیر دیتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا

ہے کہ الفاظ اور کے ساتھ اور ایک جلدی نکلتے ہیں۔

(برائین ۲۔ دورح ص ۴۷۹)

زبان مؤنث ہے۔ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

۹۔ پھر ایسے معتقد ہو گئے جس کا حد انتہا نہیں۔ (ازالہ ص ۷۱۱)

حد مؤنث ہے۔

- ۱۰۔ اور دوسرے کی انتظار ہے۔ (تحفہ گوشتروبیہ ص ۱۸)
- انتظار مذکور ہے۔
- ۱۱۔ میں خط کا چراگاہ ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰)
- چراگاہ مؤنث ہے۔
- ۱۲۔ درد گردہ ربی تھی۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۴)
- درد مذکور ہے۔
- ۱۳۔ یہ ایک ایسا قرار داد ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۹)
- قرار داد مؤنث ہے۔
- ۱۴۔ جس قدر انسانی روح اپنے کمالات ظاہر کر سکتا ہے۔ (چشمہ معرفت ص ۱)
- روح مؤنث ہے۔
- ۱۵۔ اگر ان میں ایک ذرہ تقویٰ ہوتی۔ (آسمانی فیصلہ ص ۷)
- تقویٰ مذکور ہے۔
- ۱۶۔ بہشت الیسا ہے۔ (شہادت القرآن ص ۵۳)
- بہشت مؤنث ہے۔

۹۔ جمع و مفرد

اگر فاعل جمع ہو تو فاعل کا جمع ہونا ضروری ہے لیکن جناب مرزا صاحب اس پابندی کے بھی قائل نہیں تھے مثلاً ذیل میں خط کشیدہ الفاظ کو دیکھیے۔
اب جس قدر میں نے پیشگوئیاں بیان کی ہیں۔۔۔۔۔
صدق یا کذب کے آزمانے کے لیے یہی کافی ہے۔

(ازالہ ص ۶۳۵)

۱۔ ایک مکھی کے خواص اور عجائبات کی قیامت تک تفتیش۔۔۔
کرتے جائیں تو وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

(ازالہ ص ۶۴۷)

۲۔ خدا کے مامورین کے آنے کے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔
(ازربعین ص ۳)

۱۰۔ الفاظ کا غلط استعمال

جناب مرزا صاحب نے بعض مقامات پر الفاظ کا غلط استعمال فرمایا ہے مثلاً۔
۱۔ صرف کوئے کی طرح یا بھیدی کی مانند ایک نہجاست کو ہم

”..... (یہ پاری) کافرستان کے وحشی لوگوں اور افریقہ کے

جنگلیوں آدمیوں کے پاس جاتے ہیں۔“ (ازالہ صفحہ ۴۹۷)

۶۔ تو پھر روح اس جسم میں آگئی جو بطور بیکار چھوڑا گیا تھا۔

(ازالہ صفحہ ۵۴۱)

۷۔ میں اپنے چند موسومی بزرگوں کی لکیر کو کسی حالت میں چھوڑنا نہیں

چاہتا۔ (ازالہ صفحہ ۵۴۲)

خدا جانے یہ موسومی کیا چیز ہے اور یہ موسومی بزرگ کون ہوتے ہیں؟

۸۔ ”اور درندگی کے جوشوں کی وجہ سے لغتوں پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔“

(ازالہ صفحہ ۵۹۵)

جوشوں کی جگہ جوش چاہیے۔

۹۔ اب جو یہودیت کی صفتوں کا عام و باپھیل گیا ہے۔ اور.....

نصارے کو اپنے مشرکانہ خیالات میں بہت سے کامیابی ہوئی ہے۔

(ازالہ صفحہ ۶۵۰)

اردو میں لفظ صفت عموماً مدح - خیر اور خوبی کے معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں نتائج چاہیے۔ نیز وہ کامیابی مونسٹ ہیں۔

۱۰۔ لاطائل (بے سود) ایک عربی مرکب ہے جو فارسی و اردو دونوں میں

استعمال ہوتا ہے ایسے مرکبات کی ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی ناروا

ہے۔ مثلاً ہم لاطائل کو بغیر طائل یا سوائے طائل میں نہیں بدل سکتے

اسی طرح قالو ابلی کی جگہ قالو انعمہ السنہ برکیم کی جگہ السنہ بخالقکم

نہیں کہہ سکتے۔ یہ مرکب اب اپنی عربی ہیئت کے ساتھ اردو میں استعمال ہو رہے ہیں لیکن جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

”..... کا مفصل حال معلوم کرنا طویل بلا طائل ہے۔“

(ازالہ ص ۶۷۲)

۱۱۔ ”..... ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں۔۔۔۔۔“

(ازالہ ص ۶۷۹)

تحقیق کی جمع تحقیقات ہے۔ جمع الجمع بنانے کی ضرورت؟
۱۲۔ مسیح نے اپنے حواریوں کو نصیحت کی تھی کہ تم نے آخر کا منتظر رہنا۔

(ازالہ ص ۶۸۴)

کیا سمجھے؟

۱۳۔ جب دجال کے زمانہ میں دن لمبے ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ تو تم

نے نمازوں کا اندازہ کر لیا کرنا۔

(ازالہ ص ۶۸۷)

۱۴۔ اگرچہ یہ بات قابل تسلیم ہے جو ہر سال میں ہماری قوم کے ہاتھ سے

بے شمار روپیہ بنام نہاد خیرات و صدقات کے نکل جاتا ہے۔

(دیباچہ برائین ص ۷)

جو اور میں کا استعمال غلط ہے اور بنام نہاد مہمل ہے۔

۱۵۔ دوسرے تو ایسا دل و دماغ ہی نہیں رکھتے جو اس کی فلاسفری تقریر کو

سمجھ سکے۔ (برائین ص ۱۹۵)

۱۴ • اب سال سترہ بھی صدی سے گزر گئے
تم میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے
(ضمیمہ تحفہ گوشت و یہ ص ۱۱)

سترہ (۱۴) تشدید کے بغیر ہے۔

۱۵ • چھوڑتے ہو دیں کو اور دنیا کو کرتے ہو پیار۔
(زلزلہ کی پیش گوئی تحقیقہ الوحی)

دین میں اعلانِ نون ضروری ہے۔ پیار کی یا غیر محفوظ ہوتی ہے۔
اور تقطیع کے وقت پیار صرف پار رہ جاتا ہے۔ لیکن یہاں محفوظ ہے۔
ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ

مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

تقطیع۔ اُن کُ آتا۔ ہ پار پر غصُ صہ

فاع لاتن مفاعِلُنْ فَعِلُنْ

مجھ کُ غصُ صے۔ پ پار آتا ہے

فا۔ ع لاتن مفاعِلُنْ فَعِلُنْ

دیکھا آپ نے کہ یا ہر دو مصرعوں میں غیر محفوظ ہے۔ لیکن

جناب مرزا صاحب کے مصرعہ میں محفوظ ہے۔

۱۸ • اور چونکہ نور افشاں کے صاحبِ راقم نے..... (بریلین ج۔ درج ص ۲۹۹)

یہ صاحبِ راقم کیا چیز ہے؟

۱۱۔ مہمل

جناب مرزا صاحب کے ہاں مہمل جملوں کی بھی کمی نہیں۔ اقتباسات
ذیل میں خط کشیدہ سطور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ مگر یہ ذبیحہ پیشگوئیاں تو ابھی مخفی امور ہیں جن کی شارح علیہ السلام
نے اگر کچھ شرح بھی بیان کی تو ایسی کہ جو استعارہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔
(ازالہ ص ۴۲۷)

۲۔ اور اُن کا مل لوگوں کی روح کو خدا تعالیٰ کی روح کے ساتھ و ملاواری
کا ایک راز ہوتا ہے۔
(ازالہ ص ۴۲۶)

۳۔ تیری ذریت کو بڑھا دے گا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا
قرار دیا جائے گا۔
(ازالہ ص ۴۲۴)

۴۔ اکثر لوگ عقل کی بد استقامی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں۔
(ازالہ ص ۴۲۶)

۵۔ اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا موجب
سمجھتا ہوں کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر مسلمانوں کی شکستہ حالت
بہر حال قابلِ رحم ٹھہرے گی۔

(برائین۔ اسلامی انجمنوں کی خدمت
میں ضروری التماس الف)

• ۶۔ اسی سال میں بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ مجھ کو خواب آئی کہ ان سب میں سے صرف اس شخص

مقدم الذکر کا پاس ہوگا۔ اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔
(براہین ج۔ ۲۔ ص ۲۵۶)

• ۷۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار و عجائبات پر

ہیں۔ دجال مہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔

(تحفہ گوہر وہ ص ۳۳)

• ۸۔ جناب مرزا صاحب کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

کیوں غضب بھڑکا خدا کا مجھ سے پوچھو غافل ہو

گئے ہیں اس کا موجب میرے جھلانے کے دن جب سے

میرے ہوشِ نعم سے دیں کے ہیں جاتے رہے طور دنیا کے

بھی بدلے ایسے دیوانے کے دن۔

(نظم آغاز حقیقتہ الوحی)

یہ تھیں چند مثالیں اس کلام کی جس کے متعلق مرزا صاحب نے فرمایا تھا

کلام "أَفْصَحَتْ مِنْ لَدُنِ رَبِّ حَكِيمٌ ۝"

(میرے کلام میں اللہ نے فصاحت بھردی ہے۔)

یہ دعوے کہاں تک درست ہے۔ اس کا فیصلہ میں قارئین کرام

کے ادبی ذوق پہ چھوڑتا ہوں۔

عربی اغلاط

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جناب مرزا صاحب کو عربی لکھنے میں بڑی قدرت حاصل تھی تاہم ان کا عربی کلام لغزشوں سے پاک نہیں تھا آپ کی عربی تحریرات دو قسم کی ہیں۔ الہامی و غیر الہامی۔ الہامی تحریرات میں سے ایہ ہیں۔

- ۱۔ عربی الہامات
- ۲۔ تفسیر سورۃ فاتحہ
- ۳۔ قصیدۃ اعجازیہ
- ۴۔ خطبۃ الہامیہ

الہامات براہ راست اللہ کی طرف سے نازل ہوتے تھے اور باقی تین کے متعلق آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ خدائی نشان ہیں جو روح القدس کی مدد سے ظہور پذیر ہوئے۔

چونکہ ہمارے قارئین کو عربی صرف و نحو سے کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہم اختصار سے کام لیں گے۔ اور صرف چند اغلاط پر مجملہ بحث کریں گے۔

۱۔ الہامات

• ۱۔ عربی میں مؤنث و مذکر کے لیے ضمائر جدا جدا ہیں۔ مثلاً:-

غائب کی ضمیریں یہ ہیں۔

مذکر:- هُوَ هُما هُم

(وہ ایک مرد) (وہ دو مرد) (وہ سب مرد)
مؤنث:- هِیَ هُمَا هُنَّ

(وہ ایک عورت) (وہ دو عورتیں) (وہ سب عورتیں)

جس طرح اردو میں بعض بے جان اشیاء مذکر ہیں اور بعض مؤنث۔ مثلاً:- پہاڑ مذکر ہے اور ندی مؤنث۔ یہی حال عربی زبان کا ہے۔ عربی میں ارض و سما مؤنث ہیں: ظاہر ہے کہ ان کے لیے ضمیر مؤنث استعمال ہوگی۔ لیکن جناب مرزا صاحب کے ایک الہام میں ان دونوں کے لیے ضمیر مذکر استعمال ہوئی ہے جو صریحاً غلط ہے۔

السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ صَعَتُ كَمَا هُوَ مَعِي ۝

(اے احمد! آسمان و زمین تیرے ساتھ ہیں جس طرح کہ

وہ میرے ساتھ ہیں۔)

دوسرا کمال یہ کیا کہ دو اشیاء کی طرف ضمیر مضرع راجع کر دی۔

حسب قواعد هُمَا چاہیے۔

اَنَا تَيْنَاكَ الدُّنْيَا

۲۰

(ہم نے تم کو دنیا دے دی)

چونکہ یہاں ایک خدائی نعمت و عطا کا ذکر ہے اس لیے اے عینک
زیادہ مناسب تھا کہ قواعد کے لحاظ سے آیتناک بھی صحیح ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ الہام کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ
نے ساری دنیا جناب مرزا صاحب کے حوالے کر دی تھی؟ آپ کو علم ہے
کہ جناب مرزا صاحب چند ایکڑ زمین کے مالک تھے و بس جہاں تک روحانی
تسخیر کا تعلق ہے گزشتہ اٹھاسی برس میں صرف چند ہزار افراد آپ پر ایمان لائے۔
اگر یہ مطلب ہو کہ آگے حل کر تمام دنیا احمدیت قبول کر لے گی تو میرا اندازہ یہ ہے کہ
اضافہ کے امکانات بہت کم ہیں۔ وجہ یہ کہ عصر حاضر میں اقدار حیات بدل گئی ہیں آج
وہی پیغام اور وہی فلسفہ کامیاب ہو سکتا ہے جو آدم جدید کو تازہ الجھنوں مثلاً سرمایہ
و مزدور۔ آمریت۔ جمہوریت۔ اشتراکیت۔ ملوکیت۔ روابط بین المللی۔ جمعیت اقوام
یا جمعیت آدم۔ قیام امن۔ ورلڈ فیڈریشن وغیرہ سے نکال کر ہر مشکل کا ایک
قابل قبول حل پیش کر سکے۔ لیکن جناب مرزا صاحب کی تحریرات میں نہ کوئی فلسفہ
ہے اور نہ انسان جدید کے لیے کوئی پیغام۔ آپ کی بہتر لقمانیف میں۔

۱۔ وفات مسیح پہ بحث ہے۔

۲۔ اپنی نبوت پہ دلائل ہیں۔

۳۔ الہامات کا ذکر ہے۔

۴۔ آتھم اور محمدی بیگم کا جھگڑا ہے۔

۵۔ نشانات کا تذکرہ ہے۔

اور انہی مضامین کا بار بار اعادہ ہے۔ آپ نے جس اجزاء الہامات بھی نازل ہوئے تھے۔ لیکن ان میں کوئی پیغام موجود نہیں۔ صرف مسیح موعود کے مناقب ہیں و بس۔ اس کائنات میں بقائے اصلح کا آئین نہایت باقاعدگی سے کار فرما ہے۔ یہاں وہی فلسفہ زندہ رہ سکتا ہے جو دوسرے فلسفوں سے زیادہ طاقتور۔۔۔۔۔ اور ابن آدم کے لیے زیادہ مفید ہو۔ ایک وقت تھا کہ ابن العربی غزالی اور ابن رشد کا فلسفہ دل و دماغ پر قابض تھا۔ وہ زمانہ گزر چکا۔ اگر آج ابن رشد پھر پیدا ہو جائے اور چلا چلا کر اپنا فلسفہ پیش کرے تو امید نہیں کہ ایک کان بھی اس کی طرف متوجہ ہو۔ بحر زندگی میں افکار نو کی لہریں ہر دم اٹھتی رہتی ہیں جس طرح مظاہر کوئی میں زندگی۔ طفولیت و شباب کی منازل طے کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اسی طرح افکار بھی کچھ مدت تک بہارِ شباب دکھانے کے بعد مر جاتے ہیں۔ اور نئے افکار ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ آج نقشبندیہ نہیں۔ مناظروں کا زمانہ نہیں۔ مذہبی فرقہ بازی کا عہد گزر چکا۔ اور کلام و اعتزال کے چرچے ختم ہو گئے۔ آج اگر کوئی شخص ان لاشوں میں پھر جان ڈالنا چاہے تو کامیاب نہیں ہوگا۔ جناب مرزا صاحب کا تمام زور قلم یا تو اثباتِ نبوت پر صرف ہوا یا دیگر مذاہب کی تردید پر اور یا ایک ایسے اسلام کی ترویج میں جس پر نقشبندیہ و خاتما بیت کا رنگ غالب تھا۔ ظاہر ہے کہ اس متاع کے خریدار آج تقریباً نایاب ہو چکے ہیں۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ احمدیت میں نہ وہ جاذبیت موجود ہے۔ جو دل و دماغ پر قابض ہو سکے۔ نہ وہ توانائی جو غیر اسلامی

افکار کو شکست دے سکے، نہ وہ حرارت، جو عروقِ مرده میں خونِ حیات
 دوڑا سکے۔ نہ وہ قوت جو حمام و کبوتر کو شاہین بنا سکے اور نہ وہ ہمت
 جو دارا و قیصر کو دعوتِ مبارزہ دے سکے۔

جرمنی کے نازیوں کا امتیازی وصف ایک عظیم ترین قوم بننا تھا۔
 لیٹن کے پروخونی انقلاب بپا کرنے پہ ادھار کھائے ہوئے تھے اور خاکساروں
 کا مقصد نظامِ کہن کو الٹنا تھا یہ تمام گروہ جذبہ جالفروشی سے سرشار ہونے
 کے علاوہ بڑے منظم، بلند ہمت اور جفاکش تھے، ان گروہوں کے امتیازی
 اوصاف تنظیم و جان بازی تھے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ احمدیوں کے امتیازی اوصاف
 کیا ہیں؟ کیا ان میں علم زیادہ ہے؟ کیا ان کی اخلاقی سطح زیادہ بلند ہے؟ کیا بویروں
 کی طرح ان کے پاس دولت زیادہ ہے؟ کیا اس جماعت میں محققین و موجدین
 کی تعداد زیادہ ہے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہیں اور دیگر مسلمانوں سے وہ
 کسی طرح بھی ممتاز نہیں تو پھر لوگ کیوں اس جماعت میں داخل ہوں اور
 جناب مرزا صاحب کو کس مقصد کے لیے نبی تسلیم کریں؟

آخرت سنوارنے کے لیے! خود مرزا صاحب سو سے زیادہ مرتبہ لکھ
 چکے ہیں کہ نزولِ مسیح کی پیشگوئی کا کفر و اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور میرا منکر
 خطا کار ہے کافر نہیں۔ خلافتِ ارضی حاصل کرنے کے لیے؟ آپ جہاد ہی
 کے قائل نہیں خلافت کیسے ملے گی۔ وحدتِ فکر و نظر کے لیے؟ خود آپ کی
 تحریروں میں یہ چیز موجود نہیں۔ آپ ۱۹۰۲ء تک اپنی نبوت کا انکار کرتے رہے
 اور پھر ختم نبوت کا انکار۔ آپ انگریز کو بیک وقت دجال بھی کہتے رہے

اور ساتھ ہی اپنی جماعت کو اطاعت و خبال کی تعلیم بھی دیتے رہے اسی تضادم سے تنگ آکر جناب میاں محمود احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تمام تحریرات منسوخ ہیں اور انہی متضادم اقوال کا نتیجہ وہ تضادم تھا جو احمدی جماعت میں پیدا ہوا۔ اور لاہوری احمدی قادیانی بھائیوں سے الگ ہو گئے تو پھر یہ فکری توحید آپ کے پیروؤں میں کیسے پیدا ہو سکتی ہے ترک ماسوا اللہ کے لیے میری ناقص رائے میں یہ مقصد بھی حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ آپ کے ۳۵ سالہ الہامات اور تیس سالہ تحریرات کامرزی خیال اللہ نہیں بلکہ آپ کی ذات ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ آپ نے چند صفحات اخلاقیات کے لیے بھی وقف کیے تھے لیکن ان کا تناسب سمندر میں قطرے سے زیادہ نہیں۔ آپ کی تمام تصانیف صرف ثبات نبوت ذکر نشانات تاویلات بشارات اور قدح اعدائے مملو ہیں۔ خدا کا ذکر بھی ہے لیکن اس خدا کا جس نے قادیان میں رسول بھیجا جس نے اپنے رسول کو تین لاکھ نشانات سے نوازا جس نے احمد بیگ بکھرام اور چیرا غدین کو موت کے گھاٹ اتارا جس نے صداقت رسول کے لیے زہر لے لیا اور وہ بائیں بھیجیں جس نے جہانگیر و عالمگیر کے شکوہ و جلال کا وارث گورنمنٹ محسنہ انگریزی کو بنایا۔ اور جس نے وفات مسیح و میل مسیح کے اسرار اپنے رسول پہ منکشف کیے اس خدا کا کہیں ذکر نہیں جس نے اہل ایمان کو لیستخافتم اور انتہی الاعلوان کی بشارات سنائی تھیں جس نے جنات ارضی و سماوی کے وعدے کیے تھے جس نے قوت و ہیبت کے سامان فرام کرنے کا حکم دیا تھا جس نے جنت شمشیر کے سائے میں رکھ دی تھی۔

اور جس کے قرآن میں محکوم مسلمان کا تصور تک موجود نہیں۔

ماحصل یہ کہ یہ الہام آتیناںک الدنیا (ہم نے تمہیں دنیا دے دی) مادی لحاظ سے غلط ہے اور روحانی لحاظ سے ابھی پورا نہیں ہوا۔ اور نہ آئندہ اس کی تکمیل کا کوئی امکان نظر آتا ہے۔

۳۔ طاعون کے زمانے میں قادیان کے متعلق یہ الہام آیا تھا۔
(لولا اکرام لصلۃ المقام)

(اگر یہ عزت منظور نہ ہوتی تو یہ مقام قادیان سباہ ہو جاتا۔)
الکرام سے معنی ہیں "عزت کرنا"۔ تیری عزت قطعاً نہیں "تیری" کے لیے عربی میں "ک" ہے اگر ہم یہاں ک محذوف تصور کر لیں تو پھر عبارت یوں ہوگی۔ لولا اکرامک جو صریحاً غلط ہے۔ اس لیے کہ اکرام مضاف ہے اور مضاف پر ال داخل نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم ال کو بھی حذف کر دیں تو فقرہ بنے گا۔ لولا اکرامک جس کے معنی ہوں گے "اگر تیرا عزت کرنا نہ ہوتا" ظاہر ہے کہ اس فقرے میں بھی کوئی مفہوم موجود نہیں۔

علاوہ ازیں مقام کے لفظی معنی ہیں۔ وہ جگہ جو دو پاؤں کے نیچے ہو یا وہ جگہ جہاں آپ دوران سفر میں قیام کریں۔ مستقل جائے قیام کو بیت یا دار کہتے ہیں۔ لغت کے لحاظ سے ہر جگہ مقام کہلاتی ہے۔ لیکن اصطلاحاً عرب کسی بستی کو مقام نہیں کہتے۔ اس کے لیے قریہ کا لفظ ہے۔ پھر ال عرب کی لغت میں ہلاکت کا لفظ جاندار اشیاء کے لیے مخصوص ہے۔ انسان، جانور اور پرندے ہلاک ہوتے ہیں نہ کہ پتھر دریا، صحرا اور درخت۔ جب عرب یہ کہتے ہیں کہ فلاں

بستی ہلاک ہو گئی تو ان کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس گاؤں کی انٹیں اور مکان
 فوت ہو گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہ بسنے والے تباہ ہو گئے ہیں۔ عربی ادب میں
 هلك القرى (بستیاں ہلاک ہو گئیں) تو ملے گا لیکن هلك المقام
 کہیں نظر نہیں آئے گا۔ مقام کا یہ استعمال خالص ہندی ہے۔
 تو گویا اس الہام میں مندرجہ ذیل خامیاں پائی جاتی ہیں۔
 ۱۔ الاکرام کا استعمال غلط اور بے معنی ہے۔

۲۔ مقام کا استعمال ہندی ہے۔
 ۳۔ ہلاکت کی نسبت مقام کی طرف عربی محاورہ کے خلاف ہے۔

۴۔ هَذَا هُوَ التُّرْبُ الَّذِي لَا يَعْلَمُونَ ۛ

خط کشیدہ لفظ یا تو تَرَب ہے اور یا تَرْب۔ تَرَب کے معنی ہیں
 توام۔ ہمزاد اور تَرْب کے معنی ہیں خاک مٹی۔
 اب الہام کا ترجمہ سنئے۔

یہ وہ ہمزاد یا مٹی ہے۔ جسے لوگ نہیں جانتے۔

مطلب؟

خود جناب مرزا صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

یہ وہ عمل الترب (یعنی مسمرنیم) ہے جس کی اصل حقیقت کی زمانہ
 حال کے لوگوں کو خبر نہیں۔ (ازالہ ص ۱۵۵)

ترجمہ میں تَرْب کو عمل الترب بنادینا لغوی در زدستی کی انتہا ہے۔

۵۔ اَنْتَ مِنْ مَّاءٍ نَّارٍ وَهُمْ مِنْ نَّارٍ ۝

نار کے معنی ہیں بزدلی۔ ترجمہ یہ ہے۔

(اے احمد) تم ہمارے پانی سے ہو۔ اور باقی لوگ بزدلی

سے ہیں۔

کیا سمجھے؟

۶۔ وَ هَٰذَا تَذْكِرَةٌ ۝ (انجام آتھم ص ۶۴)

تذکرہ "مؤنت" ہے اس لیے ہذا کی جگہ ہذہ چاہیے۔

۷۔ اُخْطِیْ وَاُصِیْبُ ۝ (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳)

اللہ فرماتا ہے۔

"میں خطا بھی کروں گا۔ اور صواب بھی۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳)

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ اللہ خطا کیسے کرتا ہے۔ اس کی تشریح

ملاحظہ ہو۔

"کبھی میرا ارادہ پورا ہوگا۔ اور کبھی نہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۳)

عجیب بے بس خدا ہے جس کے ارادے کبھی پورے نہیں بھی ہوتے۔

قرآن میں تو فرمایا۔

فَعَالٌ لِّمَآ يُرِيدُ۔ (اس کے ارادے نہایت جاہ و جلال

سے پورے ہوتے ہیں۔)

اور یہاں یہ ضعف و بے چارگی!!

۸۔ اکبر مرتبہ آپ کو الہام ہوا۔

نری فحذا الیم

(تحقیقۃ الوحی ص ۲۲۲)

اور کچھ دیر کے بعد ایک ایسا بیمار آپ کے ہاں لایا گیا جس کی ران میں درد تھا۔

عربی میں الیم اس چیز کو کہتے ہیں جو دوسرے کو دکھ دے مثلاً عذاب الیم۔ ایسا عذاب جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ ہو۔ المیہ میں درج ہے۔

الالیم - الموضع

موضع اسم فاعل ہے اوجع یوجع سے اور متعدی ہے فعل متعدی کا اثر ہمیشہ فاعل سے مفعول تک جاتا ہے۔
زید نے عمر کو مارا۔

مار عمر پر واقع ہوئی ہے۔

خالد نے مسافر کو پانی پلایا۔

پینے سے فائدہ مسافر نے اٹھایا۔

تو الیم کے معنی ہوں گے ”درد رساں“ دوسرے کو دکھ دینے والی اس تحقیق کے رُوسے اس الہام کے معنی یوں ہوں گے۔
”تو ایک درد رساں ران دیکھے گا۔“

یعنی ایسی ران دیکھے گا جو کسی اور کو تکلیف دے رہی ہوگی حالانکہ تحقیق یہ تھی کہ یوریک ایسڈ یا بادی وجہ سے خود ران میں تکلیف ہو رہی تھی۔ نہ یہ کہ ران نے یوریک ایسڈ کو کسی دکھ میں مبتلا کر رکھا تھا۔

بہر حال الیہ کا یہ استعمال صحیح نہیں۔

۹۔ ایک مرتبہ جناب مرزا صاحب درود قونج سے شفا یاب ہوئے۔

تو فوراً یہ الہام نازل ہوا۔

ان کنتہ فی ریب صمّا نزلنا علی عبدنا فاتوا الشفاء ضلّہ

(تحقیقۃ الوحی ص ۲۳۵)

(اگر تمہیں اس وحی کے متعلق کچھ شک ہے جو ہم اپنے بندے

پر نازل کر رہے ہیں تو ذرا ایسی شفا تو دکھاؤ۔)

لفظ شفا کے بغیر باقی ساری آیت قرآن سے لی گئی ہے اللہ نے

عرب کے فصحا و بلغا کو چیلنج دیا تھا کہ اگر تمہیں قرآن کے الہامی ہونے میں

کوئی شک ہے تو ذرا چند ایسی آیات تو بنا لاؤ۔ تیرہ سو برس کے بعد اللہ نے

وہی چیلنج ان الفاظ میں دہرایا۔

اگر جناب مرزا صاحب کی وحی میں شک ہے تو ایسی شفا لے آؤ۔

وحی سے شفا کا تعلق؟ اچھا تعلق سہی۔ سوال یہ ہے کہ کیا آج تک کسی غیر رسول

کو قونج سے شفا نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے اور بیسیوں ایسے مریض آپ نے

بھی دیکھے ہوں گے تو پھر اس چیلنج کا مطلب؟ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے

حضور علیہ السلام نے تمام دنیا کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی ایک آیت ہی بنا لاؤ

تیرہ سو بہتر برس گزر گئے اور کوئی مال کا لال مقابلے میں نہ اترتا لیکن دوسری

طرف دنیا میں ہر روز قونج کے سیکڑوں مریض شفا یاب ہوتے ہیں۔ یہ عجیب چیلنج

ہے جس کی دھجیاں دن میں بیس مرتبہ اٹائی جاتی ہیں۔ فاتوا (لاؤ)

اس فعل اتی ایٹاناً کا تعلق محسوسات و مشہودات سے ہوتا ہے
اور شفا کا تعلق محسوسات سے نہیں، شفا اعتدال مزاج کا نام ہے اور اعتدال
کو محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ جسم کا گرم و سرد ہونا علامات مرض و شفا ہیں۔ خود
مرض و شفا نہیں، اس لیے اس فعل کا استعمال اس الہام میں صحیح نہیں۔

۹۔ (پہلے ان جملوں کو پڑھئے۔)

۱۔ میں نے مغلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

۲۔ میں نے زمانہ حجری کا ارادہ کیا۔

۳۔ میں نے شام کے وقت کا ارادہ کیا۔

۴۔ میں نے افغانی حملوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

۵۔ میں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا۔

کوئی مطلب سمجھ میں آیا؟ اگر آیا ہے تو سمجھائیے۔ اگر نہیں آیا۔ اور

یقیناً نہیں آیا ہوگا، تو مت بھولیے کہ آخری فقرہ ایک الہام کا لفظی ترجمہ ہے

جو جناب مرزا صاحب پہ نازل ہوا تھا۔

اردت زمان الزلزلۃ (تمہ تحقیقۃ الوحی ص ۱۵۱)

(میں نے زلزلوں کے زمانے کا ارادہ کیا) کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ

آپ ”زلزلوں کے زمانے“ میں جانا چاہتے ہیں۔ یا اس زمانے کو کچھ لمبا کرنا

چاہتے ہیں یا اس کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ آخر جو کچھ کرنا تھا، اس کا ذکر تو اس الہام

میں آنا چاہیے تھا، تاکہ الہام نہ پیدا ہوتا۔

اسی طرح کے بیسیوں الہامات اور ہیں جن میں سے بعض کی زبان غلط ہے اور بعض
مضموم کے لحاظ سے مہمل ہیں نہم بخوف طوالت انہیں نظر انداز کرتے ہیں۔

تاریخ رسالت میں پہلی مرتبہ

الہام کی طویل تاریخ میں یہ
پہلی مرتبہ ہوا۔

• اول۔ کہ اللہ نے پنجاب کے ایک رسول پر عربی زبان میں الہامات
نازل کیے اور اپنی قدیم سنت (قوم رسول کی زبان میں وحی نازل
کرنا) کو ترک کر دیا۔

• دوم۔ کہ اللہ نے تمام کے تمام الہامات اپنے رسول کی مدح و ثنا
تک محدود رکھے اور کوئی اخلاقی، سیاسی یا عمرانی ضابطہ
نازل نہ فرمایا۔

• سوم۔ کہ اللہ نے انسانوں کو ایک ”دجال سیرت“ قوم کی علامتی
کا درس دیا۔

• چہارم۔ کہ جہاد جیسے اہم اور بنیادی اصول حیات کو ختم کر دیا۔

• پنجم۔ کہ اللہ کا ذخیرہ الفاظ ختم ہو گیا کہیں قرآن کی آیات دوبارہ نازل
کر کے کام چلایا کہیں مقامات حریری سے مدد لی (دیکھو سورہ فاتحہ

کی الہامی تفسیر جس میں مقامات حریری و بدیعی کے بیسیوں جملے بالفاظہا موجود
ہیں) کہیں شعرائے جاہلیت کے مصرعے اڑا لیے (عفت الدیار محلھا و مقامھا)
آپ کا ایک الہام ہے اور یہ سلع تعلقات کے ایک قصیدہ کا پہلا مصرعہ

صَا هَذَا قَوْلُ الْبَشَرِ^۱۔ اور ایک یہ زمانہ ہے کہ اللہ کی زبان سن کر منہ ہی
آنے لگتی ہے اور ایک مدل فیل بچہ بھی پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہے کہ میں
اس خدا سے اردو اور انگریزی دونوں بہتر جانتا ہوں۔

اگر یقین نہ آئے تو کسی طالب العلم کی انگریزی وارد و تخریر اور یہ اردو
و انگریزی البامات نام بتائے بغیر ماہرین کے پاس بھیج دیجئے اور دیکھیے کہ
نمبر کسے زیادہ ملتے ہیں

یہ مطلب تفصیل میں بکا اظہار حیرت ہے کہ اس خدا کو جس کی حیرت
اخیر مناشی پر ارض و سما شہادت دے۔ ہے ہیں جس کے موقلم سے طرفتہ العین
میں لاکھوں بہاریں اور جس کے ساز سے بے شمار نغمے برس پڑتے ہیں۔ یہ کیا ہو
گیا کہ اس کے منہ سے فصیح تو رہا ایک طرف کوئی صحیح لفظ بھی مشکل ہی سے نکلتا ہے

۱۔ مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کعبہ کے قریب ایک گاؤں
عکالم میں ہر سال حج کے دنوں میں ایک میلہ لگتا تھا جس میں شعرائے عرب نظمیں بھی سناتے
تھے جو نظم فصاحت و بلاغت اور تخیل کے لحاظ سے بہترین سمجھی جاتی تھی اسے مصری جھلی پہ
سونے کے حروف سے لکھوا کر کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا حضور علیہ السلام کی بعثت تک ایسی سا
نظمیں آویزاں کی جا چکی تھیں ایک دن حضور حضرت علیؑ کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہوئے حضرت علیؑ
نے ان نظموں کے متعلق سارا ماجرا سنایا تو آپ نے ان نظموں کے نیچے سورہ کوثر لکھوا دی جب
وہ میلہ پھر منعقد ہوا اور مشاعرہ کے حج کعبہ میں داخل ہوئے اور ان کی نظر ان آیات پر پڑی
تو ذنگ رہ گئے وہ قصائد اتار لیے اور آیات کے نیچے لکھ دیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔“

خطبہ الہامیہ

۱۔ الَّذِينَ أَكَلُوا أَعْمَارَهُمْ فِي ابْتِغَاءِ الدُّنْيَا (ص ۳۴)

(جو تلاش دنیا میں اپنی عمر کو کھا گئے۔)

”عمر کھانا“ پنجابی محاورہ ہے۔ عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔

نزدول مسیح کے مشہور عقیدہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَهُلْ هُوَ إِلَّا خُرُوجٌ مِّنَ الْقُرْآنِ --- (ص ۵۱)

(کہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف بغاوت ہے۔)

”خروج“ جب بغاوت کے معنوں میں استعمال ہو تو اس کے بعد ہمیشہ

علی آتا ہے۔ اس لیے مِّنَ الْقُرْآنِ صحیح نہیں۔

عربی میں سازش اور مکر کے لیے ایک لفظ کید بھی ہے جس

کی جمع ہے مکائد۔ ظاہر ہے کہ مکر و سازش انسان کا کام ہے

یا شیطان کا۔ زمین پہاڑ یا تارے کوئی شرارت نہیں کر سکتے۔

لیکن آپ زمین کو بھی مکر سمجھتے ہیں۔

فَفَرِّقْ عُلُومَ مَكَائِدِ الْأَرْضِ وَفَرِّقْ أُعْطُوا مَا عَطَى الرَّسُلِ

مِنَ الْهَرَىٰ --- (ص ۵۱)

(ایک فرقہ کو زمین کی مکہ ملے اور دوسرے کو بدایت نصیب ہوئی)

۴۰ . وَتَنْزِلُ السَّكِينَةُ فِي قُلُوبِهِمْ (ص ۱۳)
تنزل کے بعد علی چاہیے۔

۵۰ . فَخَرَجَ النَّصَارَىٰ مِنْ دِيَارِهِمْ (ص ۱۴)
(نصاری اپنے گرجاؤں سے نکلے)
گرجاؤں کا ترجمہ دیر نہیں۔ بلکہ ادیار۔ ادیرہ یا دیورہ ہے۔

۶۰ . وَارْتَدُّوا مِنَ الْإِسْلَامِ (ص ۱۵)
عن چاہئے۔ من غلط ہے۔

۷۰ . وَيُرِيدُونَ أَن يَدُسُّوا الْحَقَّ فِي تَرَابٍ وَيَمُزِقُوا
أَذْيَالَهُ كَلْبَابٍ (ص ۱۶)
التراب اور الکلاب چاہئے۔

۸۰ . وَلَا يَفْكِرُونَ فِي لَيْلِهِمْ وَلَا نَهَارِهِمْ أَنَّهُمْ
يُسْأَلُونَ (ص ۱۷)

(اور وہ لوگ قیامت کی باز پرس سے نہیں ڈرتے۔)

ضروری ہے۔ اس لیے حسرت و برکت صحیح ہے۔ اور حسرات و برکات غلط۔

۱۱۔ زُکِی مِنْ آيْدِی اللّٰہ ۛ (ص ۱۱۶)
 من کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ بایردی اللہ چاہیے۔

۱۲۔ اِنْ کُنْتُمْ فِی شَکٍّ مِنْ اَمْرِی فَاِتْحِنُوْنِی ۛ

اگر میرے متعلق شک ہو۔ تو میرا امتحان لو۔

یہ امتحان کا استعمال خالص پنجابی و غیر قرآنی ہے۔ قرآن اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابتلا سے کام لیتا ہے۔

۱۳۔ ہم اُردو یا پنجابی میں کہتے ہیں۔

”آپ قرآن پر رحم فرمائیں۔ اور تفسیر کی تکلیف گوارا نہ کریں۔“

اس خالص ہندی محاورہ کو آپ عربی میں یوں منتقل کرتے ہیں۔

فَارْحَمُوْا مَسِيْحًا اٰخِرًا وَقَبِيْلُوْهُ مِنْ هٰذِهِ الْعِزَّةِ (ص ۱۴۰)

(تم مسیح پر رحم کرو۔ اور اسے نزد دل کی عزت سے معافی دو۔)

۱۴۔ فَلْيَبْصِرُوْا حَتّٰی يَرْجِعُوْا اِلٰی رَبِّهْمۡ وَيَطْلَعُوْا عَلٰی صَوْرَتِهِمْ۔

(ص ۱۶۳)

(وہ انتظار کریں۔ جب خدا کے ہاں جائیں گے تو وہاں شیشے میں اپنا منہ

دیکھ لیں گے۔

”بیشک میں منہ دیکھنا“ اردو کا محاورہ ہے۔ عربوں کے ہاں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

چند الہامی اشعار ملاحظہ ہوں۔

• ۱۵۔

ارِی سَیْلَ اَفَاتٍ قَضَاهَا الْمَقْدَرُ وَفِی

الْمَخْلُقِ سَیَّاتٌ تَزَاعُ وَتَنْشُرُ ۛ (ص ۲۰۳)

لفظ سَیَّاتٌ ہے (یا مکسور۔ ش مشدود اور ما بعد الف ممدودہ)

لیکن اس شعر میں سَیَّاتٌ (الف ممدودہ غائب اور یا کو مفتوح

باندھا گیا۔ جو غلط ہے۔)

وَلِلزَّیْنِ اِطْلَالٌ اَدَاها کَلَاهِفٌ وَدَمْعِی

بَذَرَ قَصُورَہٗ یَتَجَدَّرُ ۛ (ص ۲۰۳)

دوسرا مصرع خارج از وزن ہے۔

ع۔ اَلَا اِنَّمَا الْاِیَّامُ رَجَعَتْ اِلَى الْهَدٰی (ص ۲۰۴)

صحیح لفظ رَجَعَتْ (بفتح جیم ہے) نہ کہ رَجَعَتْ (بہ سکون جیم)

فَمِتْ اِیْہَا النَّارِیٰ بِنَارٍ تَسْعَرُ (ص ۲۰۴)

ناری غلط ہے۔ تَارِیُّ بہ تشدید یا ہونا چاہیے۔

قصیدہ اعجازیہ

یہ ایک الہامی قصیدہ ہے جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا اشتہار بھی ہے کہ جو شخص اتنی مدت میں ایسا قصیدہ تیار کرے گا اسے یہ رقم بطور انعام دی جائے گی۔ لیکن یہ شرط تھی کہ قصیدہ سارے پانچ سو اشعار کا ہو۔ اور صرف بارہ دن میں مطبوعہ کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے۔ چونکہ ان شرائط کو پورا کرنا انسانی قدرت سے باہر تھا اس لیے کوئی شخص مقابلے میں نہ اتر رہا تھا بعض شعراء نے اس قصیدے کا جواب ضرور لکھا جن میں سے ایک قاضی نضر الدین پروفیسر اور نیٹل کالج لاہور تھے۔ ان کا طویل قصیدہ فصیح عربی زبان میں ہے اور عروض و نحو کی لغزشوں سے معرا ہے۔ لیکن قصیدہ اعجازیہ کے تقریباً تین درجن اشعار عروضی و نحوی اغلاط سے آلودہ ہیں۔ بطور نمونہ ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔

اس قصیدہ کا آخری حرف مجری مرفوع ہے۔

یُحْذَر - یَذْکُر - یُظْہِر - وَغَیْرَہ

فاین بھڑا الوقت من شان جولر ۱

جولر شان کا مفعول یہ ہے اس لیے منصوب (جولر) چاہیے۔

وَکَانَ سَنَا بَرْقٍ مِّنَ الشَّمْسِ أَظْہَر ۲

اظہر غلط ہے۔ اس لیے کہ کان کی خبر ہے۔ اظہر چاہیے۔

اَکَانَ شَفِیعَ الْاَنْبِیَا وَمُوتِر ۳

موتِر۔ شفیع پہ معطوف ہے اس لیے موتِر چاہیے۔

فِيَا قِي مِنَ اللَّهِ الْعَلِيمِ مُعَلِّمٍ

۴۰ -

وَلِيَهْدِي إِلَى اسرارِهَا وَلِفَيْسِرِ

اسرارِهَا کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ اللہ مذکور اور ضمیر مومنٹ ہے۔

فَقُلْتُ لَكَ الْوَيْلَاتُ يَا اَرْضُ جُولُوا

۵۰ -

لَعْنَتُ بِمَلْعُونٍ فَاَنْتَ تَدْمَرُو

ارض مومنٹ ہے اور تدمرو واحد مذکور مخاطب۔ گویا مومنٹ کے لیے

مذکور کا صیغہ استعمال کر دیا۔ جو صریحاً غلط ہے۔

یہ بحث خالص فنی قسم کی ہے جس سے قارئین کو کوئی دلچسپی نہیں

ہو سکتی۔ اس لیے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

الہامی تفسیر فاتحہ

فِي سَبْعِينَ يَوْمًا مِنْ شَهْرِ الصِّيَامِ (ص)

۱۰ -

سبعین = ستر

(ماہ رمضان کے ستر دنوں میں)

یہ کیسیار رمضان ہے جس کے ستر دن ہوتے ہیں۔

صَاقِبِلُوا فِي مِنَ الْبَخْلِ (ص)

۲۰ -

بخل کا استعمال خالص پنجابی ہے۔ جسد چاہیے۔

اتَّخَذُوا الْخِفَافِيشْنَ وَقَرَأُوا الْجَنَاتِھُمْ (ص)

۳۰ -

لجنا نهم یہ لام غلط ہے۔ اس لیے کہ اتخذ و مفعول چاہتا ہے
جنات پہلا مفعول ہے۔ مفعول پہ لام لانا درست نہیں۔

یوریدون ان یسفقوا قائلہ (ص ۱۲) ۴۔

سفق کے معنی ہیں بہانا۔ گمراہانا
(وہ چاہتے ہیں کہ قائل کا بہائیں)

کیا؟ خون؟ تو پھر قائل سے پہلے دم (خون) کا اضافہ
فرمایئے۔

و جعل قلمی و کلمی منبع المعارف (ص ۳) ۵۔

منبع غلط ہے منابع چاہیئے۔

وای معجزة وایة چاہیئے۔ (ص ۴۵) ۶۔

ومن نواور ما اعطی لی ما اعطیت و صحیح ۷۔

ہے۔ (ص ۴۱)

ومثلها كمثل ناقة۔۔۔۔۔ توصل الی دیار ۸۔

الحب من ركب عليه (ص ۴۷)

ناقة مؤنث ہے اور علیہ کی ضمیر مذکر علیہا چاہیئے

الزم الله كافة اهل الملة (ص ۱۳) ۹۔

عربی میں كافة مضاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ فقرہ غلط ہے

وتلك الجنود يتحاربون ۱۰۔ (ص ۱۲۹)

یتحاربان غلط ہے۔ تتحاربان صحیح ہے۔

۱۱۔ النفس التي سعى سعيها (ص ۱۲۶)

سعی غلط ہے اس لیے کہ نفس ٹونٹ ہے سعت چاہیے۔

۱۲۔ الاقليل الذي هو كالسعدوم (ص ۱۵۹)

یہاں موصوف نکرہ ہے اور صفت معرفہ جو صحیح نہیں۔

۱۳۔ لا تؤذي اخيك (ص ۱۶۵)

اخیک غلط ہے مفعول ہونے کی وجہ سے اخات چاہیے۔

۱۴۔ ثمرات الجنة فويل للذي تركهم (ص ۱۷۱)

ترکھم غلط ہے ثمرات جمع مکسر ہونے کی وجہ سے ٹونٹ

ہے اس لیے ترکھا صحیح ہے۔

۱۵۔ اتظن ان يكون الغير (ص ۱۷۱)

غیر پر الف لام نہیں آسکتا۔

اس تفسیر میں اس قسم کی کم و بیش ایک سو اعلیٰ موجود ہیں حقیقتاً تاریخ

رسالت کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ اللہ نے مسیح موعود پر چارہ زبانوں میں الہامات نازلے

اور ہر زبان میں درجنوں غلطیاں کیں۔ یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ دشمن اس کی غلطیوں

پر نہیں پڑے ہیں۔ وہ آخر تک اپنی ہٹ پہ قائم رہا اور وقتاً فوقتاً غلط الہامات نازل

کرتا رہا۔

مخالفین نبوت سے سلوک

قرآن حکیم میں بار بار حضور علیہ السلام کو ہدایت کی گئی ہے کہ
 اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اِحْسَنُ . فَاذِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ
 عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝

(اے رسول! تم مخالفین کے مقابلے میں ایسے اخلاق کا مظاہرہ کرو کہ
 تمہارا دشمن بھی تمہارا مخلص دوست بن جائے۔)

دشمن کو مخلص دوست بنالینا بڑی مشکل اور کٹھن منزل ہے اور اس منزل
 کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان دشمن کے اشتعال سے بے وقوف نہ ہو
 آزار اقدامات اور فتنہ و سازش کو قطعاً خاطر میں نہ لائے۔ رفیق و ملاطفت کو نہ چھوٹے
 گالیاں سن کر دعائیں دے اور وقت مصیبت آگے بڑھ کر دشمن کے کام آئے۔
 حضور علیہ السلام زندگی بھر اس ہدایت پر عمل پیرا رہے۔ جب اہل طائف کی سنگ
 باری سے سرورِ دو عالم کے جوتے پہرے بھر گئے تو آپ کی زبان مبارک پر ان طائف
 تاکہ (دس میل) یہی دعا جاری رہی۔

رَبِّ اِهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

(اے رب! میری قوم کی آنکھیں کھول اور انہیں سیدھی راہ دکھا کہ یہ غریب

سچائی سے نا آشنا ہیں۔)

جنگِ حنین میں جب صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور کفار کی بے پناہ تیر اندازی نے قیامت کا سماں باندھ دیا تو رحمتہ للعالمین نے ہجومِ مصائب میں دُعا کے لیے اٹھ اٹھائے۔ لوگ یہ سمجھے کہ آپ کفار کے لیے کسی فوری عذاب کی دعا مانگیں گے لیکن اس رحمتِ مجسم کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔

اللَّهُمَّ اهْزِمْ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۞

عہدِ خلافت میں حضرت علیؑ کہیں جا رہے تھے کہ دُور سے ایک خارجی نے دیکھ لیا۔ اور منہ سے اناپِ شناپ بکے۔ جب ساتھیوں نے توجہ دلائی۔ تو مدینۃ العلم نے فرمایا۔

”عرب میں علی نام کے کئی آدمی ہیں۔ کسی اور کو کوس رہا ہوگا۔“

آپ جانتے ہیں کہ اہل مکہ نے حضور علیہ السلام پر انتہائی مظالم توڑے تھے آپ کے پیروؤں کو گرم ریت پر گھسیٹا تھا۔ آپ کو تین برس کے لیے پہاڑوں میں قید کر دیا تھا۔ آپ کو گھربار سے نکال دیا تھا۔ اور مدینہ پر کئی مرتبہ چڑھائی کی تھی لیکن جب فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو سزا دینے کا وقت آیا تو آپ نے اعلان فرمایا۔

لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ ۞

(جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا)

حضور علیہ السلام کا یہی وہ خلقِ عظیم تھا جس نے لاکھوں دلوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور صحابہ کی یہی وہ تلوار تھی جس نے چالیس ہزار بستیوں اور قلعوں کے

بہراہ چار کروڑ دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔ صحابہ کو ہدایت تھی کہ جاؤ۔ اس قوم کے انبیاء و صحائف کی صداقت کا اعلان کرو۔ ان کے معابد کو مت چھڑو۔ ان کے معبودوں کو بُرا نہ کہو۔ انہیں مکمل مذہبی و مجلسی آزادی دو۔ ان سے ایسا عادلانہ بلکہ محسنانہ سلوک کرو کہ وہ لوگ تمہیں رحمت مجسم سمجھنے لگیں۔

قرآن و حدیث میں از اول تا آخر کہیں کوئی بد کلامی یا گالی موجود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر کسی فرد کی توہین و تحقیر نہیں کی کسی کا ہتھی کہ نہیں اڑایا۔ کسی کو دجال یا سور نہیں کہا۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن عظیم نے بدکاروں کو فاسق و کافر قرار دیا تھا۔ لیکن یہ گالی نہیں تھی۔ بلکہ خالص حقیقت بیانی تھی فاسق کے معنی ہیں بدچلن اور کافر کے معنی ہیں قانون شکن۔ اگر ایک شرابی زانی مفسد ہو۔ خان اور منافق کو فاسق و کافر نہ کیا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ گدھے کو گدھا کہنے سے اس کی توہین نہیں ہوتی۔ حضور علیہ السلام کے اقوال میں نہ طعن ہے نہ گالیاں۔ نہ بازاری قسم کی تضحیک ہے اور نہ مبتذل قسم کی پھبتیاں۔ از اول تا آخر ایک پُر عظمت متانت اور روح افزا سنجیدگی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ایک اخلاقی معلم کا اپنا اخلاق قابل رشک نہ ہو۔ دنیا اس سے مستفیض نہیں ہو سکتی۔ درست فرمایا تھا۔ جناب مرزا صاحب۔

اخلاقی معلم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کو بریہ دکھلا دے۔

(چشمہ مسیحی ص ۹)

لعنت بازی صدیقیوں کا کام نہیں مومن لعان (لعنت بھیجنے والا) نہیں ہوتا۔

(ازالہ ص ۶۶)

بعض نجیث طبع مولوی جو یہودیت کا خمیر اپنے اندر رکھتے ہیں۔
 ----- یہ دل کے مجذوم اور اسلام کے دشمن -----
 دنیا میں سب جانداروں سے زیادہ پلید اور کمر اسبت کے لائق خنزیر
 ہے مگر خنزیر سے زیادہ پلید وہ لوگ ہیں جو اپنے نفسانی جوش کے
 لیے حق اور دیانت کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اسے مردار خوار مولوی! اور گندی
 روحو! ----- اسے اندھیرے کے کیڑو۔

(ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۲۱)

----- پلید ذریت شیطان۔ -----

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵)

یہ (مولوی) جھوٹے ہیں۔ اور کتوں کی طرح جھوٹے کامردار کھاتے ہیں۔
 (ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵)

ذرا یہ بھی ملاحظہ ہو۔

میں سچ سچ کہتا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے میں نے (اپنی
 "تالیفات میں) ایک لفظ بھی ایسا استعمال نہیں کیا جس کو دشنام
 وہی کہا جائے۔ (ازالہ جلد اول ص ۶)

!

اور یہ بھی۔ "جس دن یہ سب باتیں (محمدی بیگم کی پیشگوئی میں درج شدہ)
 پوری ہو جائیں گی۔۔۔۔۔ اس دن۔۔۔۔۔ نہایت صفائی

سے (ان کی) ناک کٹ جائے گی اور ذلت کے سیاہ دانغ ان کے منحوس
چہروں کو بندھوں اور سنوہوں کی طرح کمر دیں گے۔“
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۲)

عبدالحق غزنوی بار بار لکھتا ہے کہ آتھم والی پیشگوئی میں پادر یوں
کی فتح ہوئی۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ
اے بد ذات۔ یہودی صفت۔ پادر یوں کا اس میں منہ کالا ہوا اور ساتھ ہی
تیرا بھی اے خبیث کب تک تو جیے گا
..... خاص کمر رئیس الدجالین عبدالحق غزنوی اور اس
کا تمام گروہ علیہم نعال لعن اللہ الف الف صرۃ ۵
ان پر خدائی لعنت کے دس لاکھ جوتے برس ہیں) اے پلید
دجال! تعصب نے تجھ کو اندھا کر دیا۔
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۲۵-۲۶)

پھر پڑھیے۔

لعنت بازی صد یقوں کا کام نہیں۔ مومن لعان (لعنت بھیجنے والا)
نہیں ہوتا۔ (ازالہ ص ۶۱)

اور یہ بھی۔ (مولوی عبدالحق غزنوی کو خطاب کیا جا رہا ہے)
”اے کسی جنگل کے وحشی“
(ضمیمہ انجام آتھم ص ۴۹)

(انوار الاسلام ص ۲)

کیا حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے بھی زندگی بھر کوئی ایسا لفظ نکلا تھا؟ اگر نہیں اور سرگز نہیں، تو ارشاد ذیل کا مطلب؟
 ”میں بروزی طور پر آنحضرت صلعم ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمد مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہے۔“
 (ایک غلطی کا ازالہ)

”میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے۔“
 (نزول المیسیح حاشیہ ص ۲)

حضور کا کمال صبر و ضبط اور جنگ کے گھمسان میں دشمنوں کے لیے وعائیں مانگنا تھا۔ نہ کہ انہیں مردار خور، سٹور، ولد الحرام، گوہ خور اور کنجریوں کی اولاد کہنا، مخالفین پر ایسے الفاظ کا کبھی اچھا اثر نہیں ہو سکتا۔
 ”یہ بات نہایت قابل شرم ہے کہ ایک شخص خدا کا دوست کہلا کر پھر اخلاقِ رذیلہ میں گرفتار ہو۔ اور درشت بات کا ذرا بھی متحمل نہ ہو سکے اور جو امامِ زمان کہلا کر ایسی کچھ طبیعت کا آدمی ہو کہ ادنیٰ بات میں منہ میں جھاگ آتا ہے آنکھیں نیلی نیلی ہوتی ہیں، وہ کسی طرح بھی امامِ زمان نہیں ہو سکتا۔“
 (ضرورت الامام ص ۷)

جناب مرزا صاحب اپنے مخالفین کے متعلق نہایت سخت کلامی سے کام لیتے تھے یہ مرض آپ کے پیروؤں میں بھی موجود تھا۔ یہاں کئی سو مثالوں میں سے صرف

..... بھی حکم دیا کہ تم کسی کو احمق مت کہو۔ مگر خود اس قدر
 بد زبانی میں بڑھ گئے کہ یہودی بزرگوں کو ولد الحرام تک کہہ دیا۔۔۔۔۔
 اخلاقی معلم کا یہ فرض ہے کہ پہلے اپنے اخلاق کو برمیہ دکھلاوے
 پس کیا ایسی ناقص تعلیم جس پر انہوں نے اپنے آپ بھی عمل نہ کیا خدا تعالیٰ
 کی طرف سے ہو سکتی ہے؟

(چشمہ مسیحی ص ۹)

(مکملہ صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۱)

وہاں یہ لکھا ہے کہ یہودیوں نے اپنے آپ کو ولد الحرام کہہ دیا۔

یہودیوں نے

لیا کہ یہودیوں نے اپنے آپ کو ولد الحرام کہہ دیا۔

یہودیوں نے اپنے آپ کو ولد الحرام کہہ دیا۔

(مکملہ صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۱)

یہودیوں نے

یہودیوں نے اپنے آپ کو ولد الحرام کہہ دیا۔

یہودیوں نے اپنے آپ کو ولد الحرام کہہ دیا۔

خاتمہ

ہم جناب مرزا صاحب کے اقوال . دلائل بشارات . الہامات اور نشانات کا جائزہ لیتے ہوئے خاتمہ کتاب تک آپہنچے . ہمارا آغاز سے ارادہ تھا کہ ہم اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر منصفانہ و غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالیں کہیں تحریف نہ کریں . کسی عبارت کو مصنف کی منشا کے خلاف مسخ نہ کریں اور کوئی دلائل اور لفظ ساری کتاب میں داخل نہ ہونے دیں . الحمد للہ کہ ہم ان ارادوں میں کامیاب رہے .

قارئین کرام ! اب اس مسئلہ کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے ہم واضح کر چکے ہیں .

۱۔ کہ قرآن . حدیث اور جناب مرزا صاحب کے اقوال کی روشنی میں خاتم النبیین کی تفسیر کیا ہے .

۲۔ کہ قرآن میں کسی مسیح موعود کے آنے کا ذکر موجود نہیں اور احادیث بقول مرزا صاحب ظنی و ساقط الاعتبار ہیں .

۳۔ کہ آپ ۱۸۶۵ء سے ۱۹۰۲ء تک حضور علیہ السلام کو آخری نبی اور ہر مدعی نبوت کو خارج از اسلام قرار دیتے رہے .

۴۔ کہ آپ نے ایک طرف انگریزوں کو دجال قرار دیا . اور دوسری طرف ان کی اطاعت اپنی ذریت اور جماعت پر فرض کر دی .

۵۔ کہ آپ کی بعض دعائیں قبول نہ ہوئیں .

• ۶۔ کہ آپ کی بعض پیش گوئیاں پوری نہ ہوئیں۔

• ۷۔ کہ آپ کے تمام الہامات آپ کی تعریف اور بشارت تک

محدود رہے اور ان میں کوئی اخلاقی، سیاسی یا عمرانی ضابطہ

نازل نہ ہوا۔

• ۸۔ کہ آپ کا اردو کلام جو ہر فصاحت سے معتر تھا اور عربی کلام

میں بھی خامیاں موجود تھیں۔

• ۹۔ کہ آپ نے اپنے مخالفین کے متعلق ایسی زبان استعمال فرمائی

جو مقام نبوت کے شایاں نہ تھی۔

احمدی بھائیو! ان تفصیل سے صحیح نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں لیجئے۔ ہم اس

مسئلہ کو ایک اور رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

جناب مرزا صاحب کی عمر انتہی تر برس تھی۔ ان پر پہلا الہام ۱۸۶۵ء میں

نازل ہوا تھا۔ آپ اکتوبر ۱۹۰۲ء تک یہی فرماتے رہے کہ میں نبی نہیں۔ اور آپ

کے آخری ساٹھ پانچ برس اثبات نبوت میں بسر ہوئے تو گویا آپ کی زندگی

کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

• اول۔ پہلے چونسٹھ برس جن میں آپ حضور علیہ السلام کو آخری

نبی سمجھتے رہے۔

• دوم۔ اور آخری پانچ برس جن میں آپ نے باب نبوت کھول دیا

میں آپ سے سیدھا سوال پوچھتا ہوں کہ آپ جناب مرزا

صاحب کے کس حصہ زندگی کو قابل تقلید و عمل سمجھتے ہیں؛ صرف آخری پانچ

برس کو؟ ایک رسول کی یہ توہین کہ آپ ان کی چونستھ برس کی طویل زندگی کو ناقابل تقلید قرار دیں۔ اور ان کی اڑتالیس ضخیم تصانیف پہ خط نسخ کھینچ ڈالیں کیوں؟ کوئی سند؟ کوئی دلیل؟ اگر آپ کسی معقول انسان کے سامنے جناب مرزا صاحب کو بایں صورت پیش کریں کہ ان کی حیات مرسلانہ کے پہلے سیتیس برس ناقابل تقلید و عمل۔۔۔ صرف آخری پانچ سال قابل اطاعت تھے تو آپ کی بات پہ کبھی بھی کان نہیں دھرے گا۔ اور اسے یہ پوچھنے کا حق ہوگا۔

• اول۔ کہ کیوں صاحب! پہلے سیتیس برس میں کیا خرابی تھی کہ اب وہ قابل تقلید نہیں رہے؟

• دوم۔ کیا اس حصہ زندگی کے الہامات خدائی نہیں تھے اگر تھے تو پھر انہیں ناقابل تقلید کہنے کا مطلب؟

• سوم۔ بارش کی طرح برسے والی وحی نے سیتیس برس تک آپ کو ختم نبوت کی تعلیم دی اور آخری پانچ سال اجرائے نبوت کی کون سی وحی صحیح تھی؟

ایک قابل قبول تصدیق
احمدی و غیر احمدی میں تنازعہ فیہ
امور دو ہیں۔

• اول۔ جناب مرزا صاحب کی ذات گرامی۔

• دوم۔ مسئلہ ختم نبوت۔

امرا اول کے متعلق پھر اختلاف ہے۔ احمدی اکابر آپ کی آخری پنجسالہ زندگی کو مانتے ہیں اور میرے ہاں اس تنازعہ کا معقول اور قابل قبول حل یہ ہے۔

کہ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کو مشعلِ راہ بنایا جائے مسئلہ ختم نبوت خود بخود
 حل ہو جائے گا۔ احمدی دوستو! میرے موقف کو پھر سمجھ لیجئے میں آپ
 سے یہ نہیں کہہ رہا کہ جناب مرزا صاحب کی پیروی چھوڑ دیجئے بلکہ یہ کہہ رہا ہوں
 کہ پانچ سے چونسٹھ زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی چونسٹھ سالہ زندگی کی تقلید کیجئے
 احمدی وغیر احمدی کا امتیاز مٹ جائے گا۔ ملی انتشار ختم ہو جائے گا۔ آپ
 سوادِ اعظم میں شامل ہو کر عظیم بن جائیں گے اور وطن عزیز کو آئے دن کے
 مظاہروں اور جھگڑوں سے نجات مل جائے گی۔

خدا آپ کے ساتھ ہو۔

والسلام

برق

آغاز کتاب۔ ۵ جون ۱۹۵۳ء

تکمیل کتاب۔ ۷ جولائی ۱۹۵۳ء

مفتی اعظم پاکستان

ماخذ

النهای صحائف

۱. القرآن الحکیم
۲. تورات مقدس
۳. انجیل شریف

احادیث

- | | | |
|--------------------------------------|------------|-----|
| محمد بن اعلیل البخاری | صحیح بخاری | ۴۰۰ |
| ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری | صحیح مسلم | ۵۰ |
| ابوداؤد السجستانی | سنن | ۶۰ |
| احمد بن شعیب النسائی | سنن | ۷۰ |
| ابو عبد الله محمد بن بکر بن القزوينی | سنن | ۸۰ |
| المعروف به بن ماجه | | |
| محمد بن یحییٰ الترمذی | سنن | ۹۰ |
| امام مالک | موطا | ۱۰۰ |

تاریخ

- | | | |
|---------------------------------|---------------------|-----|
| القفطی | تاریخ الحکما | ۱۱۰ |
| لین پول ترجمه عباس اقبال تهرانی | طبقات سلاطین اسلام | ۱۲۰ |
| ابو سعید بن زنی | تاریخ القلابات عالم | ۱۳۰ |

- ۱۴۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل طفیل احمد بنگلوری
 ۱۵۔ کمپنی کی حکومت باری۔ عیسیٰ
 ۱۶۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ٹیٹر

لغت

- ۱۷۔ الہنجہ
 ۱۸۔ منتخبی الارب
 ۱۹۔ لسان العرب
 ۲۰۔ القاموس
 ۲۱۔ صراح
 ۲۲۔ تاج العروس
 ۲۳۔ مجمع البحار
 ۲۴۔ تہذیب (ازہری)
 ۲۵۔ صحاح الربیعہ
 ۲۶۔ کلیات ابی البقا

مُتفرق

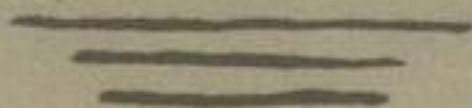
- ۲۷۔ تبلیغ رسالت میر قاسم علی۔ احمدی
 ۲۸۔ سیر المہدی صاحبزادہ بشیر احمد صاحب

- ۴۶۔ تدریس لغت عربیہ اسلامیہ
- ۴۷۔ الحکمہ
- ۴۸۔ پیغام صلح
- ۴۹۔ رسالہ دیوبند آف ریلیجیون
- ۵۰۔ تشحید الاذہان
- ۵۱۔ امان افغان
- ۵۲۔ اہل حدیث
- ۵۳۔ لندن ٹائمز
- ۴۶۔ قادیان قریب السیف
- ۴۷۔ " شفا علیہ
- ۴۸۔ (السلام) لاہور قریب السیف
- ۴۹۔ قادیان قریب السیف
- ۵۰۔ رسالہ علیہ
- ۵۱۔ کابل قریب السیف
- ۵۲۔ امر مسرور علیہ
- ۵۳۔ یلندن قریب السیف

جناب مرزا غلام احمد صاحب کی وفات سے سب سے اہمیت رکھنے والے

- ۵۴۔ براہین احمدیہ حصہ اول
- ۵۵۔ کتاب اللہ اور نبی علیہ السلام
- ۵۶۔ کتاب اللہ اور نبی علیہ السلام
- ۵۷۔ کتاب اللہ اور نبی علیہ السلام
- ۵۸۔ انزالہ اور ہام
- ۵۹۔ آسمانی فیصلہ
- ۶۰۔ نشان آسمانی
- ۶۱۔ آئینہ کمالات اسلام
- ۶۲۔ جنگ مقدس
- ۵۴۔ سال تصنیف ۱۸۹۰ء
- ۵۵۔ " شفا علیہ
- ۵۶۔ کتاب اللہ اور نبی علیہ السلام ۱۸۸۲ء
- ۵۷۔ کتاب اللہ اور نبی علیہ السلام ۱۸۸۵ء
- ۵۸۔ انزالہ اور ہام ۱۸۹۱ء
- ۵۹۔ آسمانی فیصلہ ۱۸۹۱ء
- ۶۰۔ نشان آسمانی ۱۸۹۲ء
- ۶۱۔ آئینہ کمالات اسلام ۱۸۹۳ء
- ۶۲۔ جنگ مقدس ۱۸۹۳ء
- دسمبر
- جون
- نوری نقاش
- جون

کشتی نوح	۱۲۰	سال تصنیف ۵ - اکتوبر ۱۹۰۲ء
اعجاز احمدی	۱۳۰	۱۵ - نومبر ۱۹۰۲ء
مواہب الرحمن	۱۴۰	جنوری ۱۹۰۳ء
لیکچر سیالکوٹ	۱۵۰	۲ - نومبر ۱۹۰۴ء
برائین احمدیہ حصہ پنجم	۱۶۰	اپریل مئی ۱۹۰۵ء
چشمہ مسیحی	۱۷۰	۹ مارچ ۱۹۰۶ء
حقیقتہ الوحی	۱۸۰	۱۵ - مئی ۱۹۰۷ء
چشمہ معرفت	۱۹۰	۲۰ - مئی ۱۹۰۷ء
پیغام صلح	۲۰۰	۲۴ - مئی ۱۹۰۸ء



اُردو ادب میں گراں قدر سرمایہ کا اضافہ

تاریخ ادب عربی

تالیف:۔ استاذ احمد حسن زریات

ترجمہ:۔ عبدالرحمن طاہر سورتی موسس انجمن ترقی عربی پاکستان

عربی زبان کی اہمیت اور اس کے ادب کی عظمتوں سے ہر صاحب علم واقف ہے لیکن افسوس کہ اب تک تاریخ ادب عربی پر کوئی ایسی جامع کتاب نہ تھی جس سے اردو داں طبقہ عربی ادب کی عظمتوں اور دستگوں سے کما حقہ بہرہ ور ہوتا۔ احمد حسن زریات کی یہ تالیف تاریخ ادب عربی پر جامع و مستند کتاب ہے اور عبدالرحمن طاہر سورتی نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے اردو ادب کو عظیم سرمایہ سے آلا مال کر دیا ہے۔ عربی زبان کتب جو دہیں آئی، کس طرح بڑھی، اس میں کتنے عظیم مفکر، شعراء، ادباء، حکماء و خطباء پیدا ہوئے اس کتاب میں ان سب سوالات کا جواب ہے۔ ساتھ ہی جہڑندہ پاپیہ شاعر و ادب کے کلام کا منتخب نمونہ درج ہے، یہ کتاب بڑی انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کے بغیر کسی علم دوست اور ادب پرور کی لائبریری کا مل نہیں کہلا سکتی۔

صفحات:۔ ۷۰۰

سائز:۔ ۱۰ x ۶

طباعت بذریعہ اردو پبلیشرز، بہترین گرڈ پرنٹرز، قیمت:۔ ۶۰/- روپے

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی